کبیر یوگ

حصہ اوّل

کبیر کا بوجھا بوجھے تین لوک سوجھے
کبیر کو جو پاکاوے تین تاپ مٹ جاوے
کبیر کی دیکھی دیکھے پرم پد کو لیکھے
کبیر سوں چت لگاوے جو کا جنم نساوے
کبیر کے مارگ آوے آواگون مٹاوے

مہرشی شیو برت لال ورمن

پہلی جلد
حصہ اول

کبیر جوگ (مکمل)

(۳ ضخیم جلدوں اور متعدد حصوں میں)

طالبانِ حقیقت و متلاشیانِ معرفت کے لئے

نایاب و نادر تحفہ

جس کی نظیر دُنیا کے کسی کتب خانہ میں نہیں مل سکتی

اشاعت کردہ

رادھا سوامی ست سنگ نظام آباد
حیدرآباد دکن

باہتمام

نندو بھائی

قیمت پانچ روپے
قیمت حصہ اول ۱۲ر

پرم سنت کبیر صاحب

خدا کی شان! جہاں میں کہاں ہے اُن کی نظیر
یہی سبب تھا کہ قاضی نے نام رکھا کبیر
شمائل اور خصائل میں ذاتِ پاک تھے وہ
بڑوں میں سب سے بڑے اور فقیروں میں بھی فقیر
یہاں جو آئے تو آزاد کر دیا سب کو
چھُٹے جو دام میں تھے حرص اور ہوس کے اسیر
نقاب رُخ سے اُٹھایا جمال دِکھلایا
برہنہ آنکھوں نے بھی حق کی دیکھ لی تصویر
جلال کے تھے چمک اور جمال کے تھے دمک
کمال کی نظروں سے تھے صورتِ تنویر
دِکھایا منہ سے گمراہوں کو طریقِ نجات
ہر ایک کو مخلصی کی ہاتھ آ گئی تدبیر
نہ خیریت کا پتہ ذاتِ پاک میں تھا کہیں
اِسی سے ہندو مسلمان کے ہوئے وہ پیر

کبیر جوگ

کا

یہ تیسرا ایڈیشن

داتا دیال

حضورِ معلّٰی و مقدس مہرشی شیو برت لال صاحب کے

پرم پریمی ست سیوداسی

ٹھاکر شری چندربھان سنگھ جی چوہان

کی

پوتر یادگار میں

میں اپنی طرف سے

سنت مت کے تمام پریمیوں کے نذر کرتا ہوں

نندو سنگھ بسین
رادھا سوامی ست سنگ نظام آباد
حیدرآباد دکن



आदि संत कबीर साहब
(सं १४५५—१५७५ वि.)

رادھاسوامی دیال کی دیا رادھاسوامی سہائے

پرم پُورش پُورن دھنی حضورِ معلیٰ و مقدس کے چرن کمل میں بنیتی اور پرارتھنا

چھند

بھگتی داتا بھگتی دیجے بھگت پالن ہار
بھگت کیجے بھگتی پاون بخشئے کرتار
تم ہو گیانی تم ہو گیاتا گیان تم بھنڈار
میٹ دو اگیان تم کو گیان کے آدھار
دین تارن دین بندھو ہین دین دیال
دین تھرناگت پڑا ہے کیجے اُس کی سنبھال
میں پتت سب بدھی ہوں سوامی تم ہو پتت اُدھار
پھیری اور نہ دیکھئے گا اپنی اور نہار
رادھاسوامی! رادھاسوامی نام دیجے دان
مان کی اچھا نہیں موہی آیا تج ابھمان
میں ہوں بالک تم پتا ہو میں نپٹ انجان
بال بنتی سُنئے چت سے کیجئے میرا دھیان
بھگتی سیوا نہیں بنے کچھ میں ہوں بال سروپ
رادھاسوامی! میں گھٹ گھٹ تم ہو تم کے کوپ
میں کنول دل بھانو تم کیجے پرکاس
چت رہے چرنوں میں نِسدن دیجے ایسی آس
پھیر کر درشٹی کو میری کیجے اپنی اور
چندر مکھ تم رادھاسوامی میں ہوں چت چکور

ارپن

پرم پُورش پُورن دھنی حضور معلیٰ و مقدس رائے سالگرام صاحب بہادُر رادھاسوامی کے چرن کمل کی یادگار میں

نمرتا ونیتا اور سچے بھگتی بھاو سے

سمرپن

تم آئے اس جگت میں دین جیو کے کاج
اب تو تارے ہی بنے تمھیں ہماری لاج
ہم تو آپ ہی پتت ہیں تم ہو پتت اُدھار
آئے پڑے بھوسندھ میں کیجے بھوجل پار
شبد جہاز چڑھائے کر سُرت نِرت کی ڈور
بیڑا کیجے پار پربھو! نرکھ اپنی اور
دُکھ بھنجن من رنجنا ساج بھگتی کا ساج
دین دُکھی کو تارے سنتوں کے سرتاج
تم تو سمرتھ سائیاں سب جگ کے آدھار
سادھ سنگ نت دیجئے رادھاسوامی پرم دیار

سیوکوں میں سب سے چھوٹا
شو

دیباچہ

سنت مت

سنت کہتے ہیں پاکی اور تقدیس کو۔ **سنت مت** اس نظر سے صرف پاکی اور تقدیس کا طریق ہے۔ یہی اُس کی تعریف ہے۔ اس سے زیادہ اُس کی صراحت کرنا فضول اور فعل عبث ہے۔

جس شخص میں تنگدلی، کوتاہ نظری اور ہٹ دھرمی دیکھو تو سمجھ لو کہ اب تک اُس کو سنتوں کے طریق میں شامل ہونے کا حق نظامِ قدرت میں عطا نہیں ہُوا۔ تنگ خیالی اور تعصب رُوح کے مرض ہیں۔ اگر مریض بیمار ہے تو وہ صحتِ جسمانی سے کوسوں دُور ہے اور جس میں اب تک رُوحانی مرض موجود ہے اُسے رُوحانی صحت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

فراخ دلی

دُنیا ہے کہ اناپ شناپ **سنت مت** کی نام لیوا ہو کر اُس کو بدنام کر رہی ہے۔ بات ہے کچھ اور لوگ اُسے سمجھ رہے ہیں کچھ۔ پنتھ، طریق اور مسلک میں آ کر بھی اگر جزئیات، ہٹ اور ضد سے کام ہے تو اور کوئی کسی کو **سنت مت** کا پیرو سمجھ لے مگر ہم اُس کو یہ حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مجلسی مذاہب کے پیروکاروں کا یہ خاصہ ہے اُن میں قومیت اور مذہب کی پاسداری کا خیال زور و شور کے ساتھ رہتا ہے مگر یہ سنتوں کا طریق نہیں ہے۔ سنت مت دیا، پریم اور بھگتی کا طریق ہے۔ سنتوں کا دل آئینہ کی طرح صاف، شفاف، مجلّیٰ اور روشن ہوتا ہے۔ اُس میں نام کے لئے بھی نہ زنگ کدورت ہوتا ہے نہ شیشہ میں بال ہوتا ہے۔ اگر آئینہ پر زنگ لگا ہُوا ہے اور گرد و غبار کی تہہ جمی ہوئی ہے تو اپنا رُوپ کیسے نظر آئے گا اور اپنی صورت کے خط و خال پر نگاہ کیسے پڑے گی!

یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ اسی طرح جس آئینہ میں بال ہے باوجود صاف ہونے کے بھی اُس میں اچھی طرح اپنی صورت کا عکس نہ پڑے گا اور آئینہ دیکھنے کا مقصد مفقود رہے گا۔

زنگ آلودہ آئینہ میں صورت کا دیکھنا مشکل اور غیر ممکن ہے۔ وہ صفائی کا محتاج ہے۔ صاف ہونے پر بے شک وہ اپنا فرض ادا کر سکے گا۔ اس سے پہلے اُس کا امکان محال ہے اور سنت مت اسی صفائی کی ترکیب بتاتا ہے۔

جس آئینہ میں ایک بال بھی پڑا ہُوا ہے، اُس میں ایک کے عوض دو صورتیں نظر آویں گی اور اگر زیادہ بال ہیں تو کئی شکلیں دکھائی دیں گی۔ بال والے آئینہ سے تعلق رکھنا غلطی ہے۔ یا تو اُس کو اس طرح زمین پر پٹک دو کہ چکنا چُور ہو جائے اور پھر اُسی کے سامان سے دوسرا آئینہ تیار کرو تب اپنی صورت دیکھنے کا مزہ آئے گا۔ مگر یہ مشکل ہے کوئی شخص اس ترکیب سے فایدہ حاصل کرنے کا خواہشمند نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی ایسی شکل نکل آئے کہ آئینہ کے بال صفائی کے ساتھ دُور کر دئے جائیں تو اس کا مضایقہ نہیں ہے۔ بہت سے آدمی ایسے ملیں گے جو اس ترکیب سے مستفید ہونے کی تمنا رکھیں گے۔

سنت مت ایسے ہی خواہشمندوں کو اپنی طرف رجوع ہونے کی دعوت دیتا ہے اور مبارک ہیں وہ خوش نصیب آدمی جو سانپ کو مار دیتے ہیں اور اپنی لاٹھی کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ لاٹھی انسان کا دل ہے۔ سانپ کال اور کرم کا نقص ہے۔ جب دل نہ رہا تو بھگتی بھاؤ کون کرنے لگا اور وہ کس سے کرے گا!

زنگ آلودہ آئینہ اگیانی کے دل سے مشابہ ہے۔ وہ دُھندلا ہے۔ اندھیرا ہے۔ اُس میں عکس کے قبول کرنے کی قابلیت اور قبولیت کا مادہ ابھی تک پیدا نہ ہُوا لیکن اگر اُس دل والے کے دل میں صفائی کی خواہش ہے تو وہ اور کچھ نہ کرے۔ سادھوؤں کی سنگت میں اُٹھنا بیٹھنا قبول کرے۔ ست سنگ کے فیض سے وہ آہستہ آہستہ باخبر ہوتا جائے گا اور جب وہ باخبر ہو کر گُورو کے پاک قدموں کی خاک لے کر اپنی خاص بھگتی اور شردھا کے پانی سے ملنا، دلنا اور دھونا شروع کرے گا وہ بآسانی پاک صاف ہو جائے گا۔ جُوں جُوں اُس میں لطافت اور پاکیزگی آتی جائے گی اُس کا یقین خود بخود پختہ ہوتا جائے گا اور جب وہ بالکل اس عمل کے کرتے رہنے

سے پاک صاف ہو جائے گا اُس میں اصلیت کا نُور یکبارگی چمک اُٹھے گا اور اس نُور میں جہاں اُس نے اپنے رُوپ کی جلوہ گری کا تماشا دیکھا وہ کرشمۂ ہم رُتبہ ہو جائے گا اور اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہو گا۔ اِس طرح دِل کے آئینہ میں نورِ معرفت کے سُرور کی چمک کو دِکھا کر اصلیت کا علم بخشنا سنت مت کا کام ہے۔ انسان کا دِل تمام خوبیوں کا مخزن ہے۔ اُس کے اندر بیشمار طاقتوں کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ بے خبری کی حالت میں خبر نہیں ہوتی اور نہ اُسے پتہ ملتا ہے۔ ہوا کے جھونکوں سے جھکولے کھائے ہوئے پانی میں کسے سطح کے کنارے کے درختوں کا سایہ نظر آیا ہے۔ اسی طرح چنچل اور پریشان دِل میں بھی ذات کا عکس نہیں پڑتا۔ ست سنگ اور گُورو بھکتی اِس چنچلتا اور پریشانی کے مرض کا یقینی علاج ہے اور جب علاج ہو جاتا ہے پھر صحت کے نصیب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا مگر پہلے آدمی حکیم یا اُس کے شفا خانہ کی طرف رجوع تو ہو۔ یہ شرط ہے۔ دُنیا میں کوئی مرض نہیں ہے جس کی دوا نہیں ہے اور جس کی دوا کا نظام قدرت میں امکان نہیں ہے لیکن اگر مریض حکیم کی بات کو ہذیان سمجھتا ہے اُس کی نہیں سُنتا اور ضد میں پڑ کر اناپ شناپ اور اُول جلول بکتا رہتا ہے تو پھر اُس کا علاج ہو چکا! ابھی اُس کو بہت ساری ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔

اگیان کو ہم بُرا نہیں کہتے۔ یہ معرفت کی راہ میں آخری مرحلہ ہے۔ گیان کا ادھکار صرف اگیانی ہی کے لئے ہے۔ اُسے اپنے اگیان کی حالت کی کچھ کچھ خبر پڑ گئی ہے اور وہ اُس کے دُور کرنے اور کرانے کا شایق ہو رہا ہے۔ گیانی کو گیان کا کیا ادھکار ہو گا۔ وہ تو خود گیانی ہے۔ روٹی بھوکے کے لئے اور پانی پیاسے کے لئے ہے۔ جس کو بھوک پیاس نہیں ہے اُسے کوئی کیوں دانہ پانی دے گا اور اُسے دینے کا فائدہ کیا ہو گا!

اگیانی کا دِل صرف زنگ آلودہ آئینہ ہے۔ زنگ کے دُور کر دینے سے اُس میں صفائی آجائے گی اور گیان کا نُور خود بخود چمک اُٹھے گا۔ اس میں بہت زیادہ وقت نہ لگے گا صرف تھوڑی سی کمی رہ گئی ہے۔ وہ مندرجۂ بالا ترکیب کے عمل کرنے سے رفتہ رفتہ پوری ہو جائے گی۔

دوبیت واد

لیکن اگر کہیں دقت ہے تو بال والے آئینہ کے لئے ہے۔ اُس میں حد درجہ کی کمی ہے۔

کہا جاتا ہے وہ ایک اور اُس میں نظر آتا ہے دو۔ دُنیا کو کثرت پسندی کا مرض لاحق ہو رہا ہے۔ وحدت پسندی کی شان کی طرف سے اُس نے اپنی آنکھوں کو میچ رکھا ہے۔ حُکما، عُقلا، فلاسفر اور تمام سائنس دان اِس قسم کے مریض ہیں۔ فرض کیا کہ اُن کا دِل صاف بھی ہے وہ صاحبِ ایجاد اور صاحبِ اختراع بھی ہیں، ہندی کی چندی کرنا اور بال کی کھال نکالنا خوب جانتے ہیں مگر دِل کے آئینہ کے بال نکالنے اور نکلوانے میں اُن کی عقل خطا کرتی ہے۔ اُنھوں نے اِس واہمہ کو اپنی عادت اور مشاقی کے زیر اثر پختہ کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے عقل سے ہوتا ہے اور عقل ہی اُن کا ہتیار پھر ہے۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ بے عقلی مکروہ حالت ہے مگر اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ عقل ہی دُنیا میں تفرقات اور اختلاف کا باعث بھی ہے۔ عقل ایک بسیط جوہر ہے جو عالمِ اختلافات کی بانی مُبانی ہے۔ یہی تمیزی تمدات کو گھڑتی رہتی ہے اور بے شمار تمدات کے تار و پود اپنے اندر سے نکال کر اُنھیں کے تانے بانے میں جیووں کو بُری طرح سے پھنسا رکھتی ہے اور وہ قید و بند میں آکر پریشان ہو جاتے ہیں اور تمام زندگی حیرانی اور پریشانی کی چکر میں بسر کرتے ہیں۔ نہ سلامت روی کا راستہ اُنھیں ملتا ہے اور نہ دِل کو قرار آتا ہے۔ عُلماء، عُقلا اور فلاسفروں کا گروہ اِس نظر سے حد درجہ کا گمراہ ہے۔ اور گمراہ بھی ایسا جو سچے راستہ پر آنے کا خواہشمند نہیں ہے۔ ایسی حالت میں کوئی اگر اُن کا علاج بھی کرنا چاہے تو کیسے کرے! ان کو سنت مت کا ادھکار نہیں ہے۔

عقل

عقل دراصل کیا ہے؟ اس پر کم لوگ خیال کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس موقع پر کھول کھول کر کہتے ہیں کہ عقل ذاتِ انسانی کی پہلی عکسی صورت ہے جس سے مادہ کے عالم کو بڑھنے نشو و نما کرنے اور مایا جال پھیلانے کا سامان ملتا ہے۔ "پہلے عقل اور پھر مادہ" یہ قدرت کا مسلمہ اور مصدقہ اُصول ہے۔ خیال پہلے کاریگر کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ اسی کی مدد سے صنعت گری کی بُنیاد ڈالتا ہے اور اس کے مکمّل کرنے میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے مکمّل تو وہ کبھی ہونے پر نہیں آتا اور نہ آئے گا کیونکہ عقل تبدیل ہونے والا عنصر ہے۔ جس کا

جی چاہے اس کو آزما دیکھیے۔ کسی ہوشیار کاریگر کے دماغ میں ایک خوبصورت مکان کا خیال پیدا ہوا۔ اُس نے اُس کا نقشہ کاغذ پر کھینچا۔ پھر خارجی سامان فراہم کر کے مکان بنوایا۔ دروازے کھڑکیاں، کمرے، غسل خانہ، احاطہ سب کچھ بنالیا۔ میز، کرسی اور آئینہ سے اُسے ہر طرح سے سجایا۔ اپنی دانست میں اُس کی بُنیاد خوب پختہ کر رکھی مگر اِدھر مکان کی تعمیر ہوئی اُدھر مرمت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ساز و سامان سب سڑنے گلنے لگے۔ وہ سوچتا ہے کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ یہ ہمیشہ کے لئے مضبوط اور مستحکم رہے۔ طرح طرح کی تدبیریں نکالتا ہے۔ تدبیر اور ترکیبوں کا بھی بیں آنا اور آتے رہنا لازمی بات ہے۔ یہ بھی قدرت کے مادّی نظام کی لازمی شرط ہے۔ مگر ان تدبیروں سے ہاتھ کیا آتا ہے! وہی ڈھاک کے تین پات، ست، رج اور تم کے سامان! وہ ساری عمر اسی اُدھیڑ بن میں صرف کر دیتا ہے۔ نہ نو من تیل اکٹھا ہوتا ہے نہ رادھا ناچتی ہے اور وہ مکان کی مرمت کرنے اور پیوند در پیوند لگانے کے بعد دُنیا سے حسرت کا داغ لے کر کوچ کر جاتا ہے اور پھر دوسرے جنم میں (اگر جنم مرن کو مسئلہ سچّا سمجھ لیا جائے) تو وہ اسی جھمیلے میں مصروف ہو رہتا ہے۔ پھر بات کیا ہوئی؟ ہاتھ کیا آیا۔ یہاں عقلا، علما اور فلاسفروں کا حال ہوتا ہے۔ عقل سایۂ محض ہے اور یہ سایہ بھی اپنا ہی ہے۔ جتنا بڑھو بڑھتا جاتا ہے۔ ٹھہر جاؤ تو ٹھہر بھی جاتا ہے۔ گیان کے نور کے سامنے تو آگے کی طرف نظر آتا ہے اور اُس کے اوٹ میں آجاؤ تو گھٹ بھی جاتا ہے۔ مگر ہاتھ کسی کے بھی نہیں آتا اور جب وہ کبھی کسی کے ہاتھ میں نہیں آیا تو ان عقلمندوں، فلسفہ پسندوں اور سائنس دانوں کے ہاتھ میں کب آنے لگا! اگر کسی نے سایہ کو پکڑا ہے تو ہم کو بھی بتادو۔ سایہ ہی ہے۔ جس کی اپنی ہستی تک نہیں ہے، جو اور کی ہستی کو عاریت لے کر ہست نظر آتا ہے اور جب اُس کی ہستی تک نہیں ہے تو کوئی اُسے پکڑ کیسے سکتا ہے! یہ امر محال ہے۔ یہ غیر ممکن کام ہے۔ کہنے والا صدا دیتا ہے۔

بابا چھایا ایک سی برلا جانے کوئے
بھگتا کے سنگھ رہے پیچھے لاگے سوئے

ہم سوال کرتے ہیں۔ دُنیا میں بے شمار عقلی اور علمی ایجادات ہیں۔ کیا کسی نے آج تک ان کو مکمل کیا؟ روز روز نئے اختراعات ہوتے رہتے ہیں۔ علم و فن کے ان گنت شعبے ہیں

مگر کیا وہ کبھی پورے ہوتے ہیں۔ علمِ ریاضی، جوتش، شاعری، کاشتکاری کا فن، علمِ سیاست، راج نیتی، حیوانوں کا علم، پرندوں کا علم، طبقاتِ ارض کا علم، کیمیا، ریمیا، سیمیا، وغیرہ ایک دو نہیں علم کی بے شمار شاخیں ہیں مگر ایک کی ابھی ابتدا ہوئی نہیں کہ دوسری اُس کی شاخ نکل کھڑی ہوئی نہیں۔ دُنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو اس نقص سے خالی نہ رہتا ہو اور اس نقص کا دُور کرنے والا نہ آج تک کوئی پیدا ہوا اور نہ پیدا ہوگا اور پیدا بھی کیسے ہوتا! یہ تو سایۂ محض ہے۔ بڑھتے چلو۔ ترقیاں کرتے چلو۔ آخر میں کہنا پڑے گا۔ "کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد"۔ ایک بات بنی۔ اُس میں نقص نظر آیا۔ اب چلو اُس کے پیچھے! اور جب وہ بننے لگے لگو اُس کی نئی نئی شاخوں کے پیچھے! یہ ہم ہر جگہ کُھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یہ علما، عقلا اور فلاسفروں کی کیفیت ہے۔

ایک مثال دی گئی۔ زیادہ مثالیں تم آپ گھڑ کر سمجھ لو۔ ایک بات کہی گئی۔ دوسری باتیں تم آپ سمجھ لو۔ ایک نکتہ سمجھا دیا گیا۔ دوسرے سمجھنے کے نُکتے تم آپ پیدا کر لو کسی ایک واقعہ کو مدِ نظر رکھ لو اور اُسے بغور دیکھتے چلو۔ دیکھو کیسا لمبا چوڑا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دُور کیوں جاتے ہو۔ ایک خیال کو دِل میں ذرا جگہ دے کر اُس سے دلبستگی پیدا کرو وہ آپ پُھدک پُھدک کر نئے رنگ رُوپ پیدا کرتا چلے گا اور اگر تم سنبھلے نہیں تو اسی کے بھنور میں پڑ کر ایسے غوطے کھانے لگو گے کہ ہوش ٹھکانے آجائے گا۔

یوگی

اِن عقلمندوں کے گروہ کے سوا ایک یوگیوں کا بھی فرقہ ہے جو کسی قدر رُوحانی باتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ چلے من کو سادھنے، وہ کسی حد تک سدھ گیا، یہ سِدّھ ہوگئے۔ بہت اچھا صاحب! سِدّھی تو آگئی مگر اس کا انجام کیا ہُوا؟ خفت اور پریشانی، حیرانی اور سرگردانی! کسی نے ہمزاد یعنی چھایا پُرش کا عمل کیا۔ لو۔ ہمزاد پیدا ہوگیا۔ یہ ہمزاد خود کیا ہے! سنسکرت میں اسے چھایا پُرش کہتے ہیں۔ چھایا کے لئے اُردو لفظ کا مرادف سایہ ہے۔ چھایا پُرش آیا، کھڑے ہو کر کان میں دُور دُور کی بات بتا گیا۔ اس سے یوگی صاحب کو حاصل کیا ہُوا، ان کا

تو اپنا کوئی کام نہ نکلا دوسروں کے دل کی باتیں بتانے لگے۔ غرور نانا اور تمکنت کی ترقی ہوئی چھایا پرُش نے آخر میں اس طرح پچھاڑا کہ چاروں شانے چت ہو کر گرے اور مفت میں جان دے بیٹھے۔ لگھما، گریما، انما، پراپتی وغیرہ بے شمار قسم کی سدھیاں ہیں۔ کوئی کہاں تک کہے اور کیوں کہے۔ سب کا یہی انجام ہوتا ہے اور دُنیا میاں کی ڈاڑھی ایک ایک کر کے چُن جاتی ہے اور وہ خالی کے خالی رہ جاتے ہیں۔ جیسے دُنیادار عقلمند، ویسے ہی یہ دُنیا پرست جوگی جی مہاراج! آخر یہ سدھی شکتی بھی تو دُنیا ہی ہے۔ اگر ان کو بے دُنیا دار کہا جائے تو بے جا کیا ہے! کوئی لنگوٹی لگانے سے تارک الدنیا نہیں ہوتا۔ یہ بالکل جھوٹی بات ہے۔ ہاں سچ کہنے والے کی کوئی نہیں مانتا۔ اگر کوئی یوگی ہوا میں اُڑتا ہے تو بڑائی کیا ہوئی! کیا چیلھ آسمان پر نہیں منڈلاتی۔ اگر کسی نے چھ مہینے یا برس دن کی سمادھی لگالی تو فائدہ کیا ہُوا؟ بچھوے سانپ اور مچھلیاں بھی تو زمین کے نیچے برسوں دبے پڑے رہتے ہیں۔ اگر کسی نے اپنی عمر بڑھالی تو کیا ہُوا۔ بڑ کا درخت ہزاروں برس تک کھڑا رہتا ہے۔ اگر کوئی پانی پر پاؤں جما کر چلا تو ہُوا کیا؟ ہم ایک پیسہ ملاح کو دے کر دریا پار کر لیتے ہیں۔ کیا اسی ایک پیسے کے پھل کے لئے یہ کمائی کی گئی تھی؟

آج کل ہندوؤں سے سیکھ سکھا کر یورپ اور امریکہ والوں نے مسمیریزم و ہپنوٹزم و سپرچوالزم و منلزم وغیرہ کئی قسم کے علوم جاری کر رکھے ہیں جنہیں وہ آکلٹ سائنس کہتے ہیں۔ یہ بھی بھولے ہوئے نادانوں کا گروہ ہے۔ جیسے وہ ویسے یہ۔ جیسے اُدی ویسے بھان ان کے پونچھ نہ اُن کے کان۔

بات بنائی جگ ٹھگو من پربودھیو ناہیہ
کہیں کبیر من لے گیا لکھ چوراسی ماہیہ
جوگی جنگم سیوڑا سنیاسی درویش
بنا پریم پہونچے نہیں دُرلبھ ستگور دیس
پڑھنا لکھنا چاتری یہ تو بات سہل
کام دہن من بس کرن گگن چڑھن مشکل

میں نے خود برسوں اسی قسم کے دو ایک سادھوؤں میں اپنا وقت ناحق خراب گیا۔ جس وقت حضورِ معلیٰ و مقدس کے چرنوں میں پہنچا، آنکھ کھل گئی، شکوک اور شبہات دُور ہو گئے اور اصلیت کا پتہ ہاتھ آیا۔ اب اس طرف سے قطعی عدم توجہی ہے۔ جو کچھ حضور نے تلقین فرمایا، وہ سیر چشمی اور فیاضی کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دینا اپنا فرض سمجھتا ہُوں۔ جو مانیں گے اپنا کام بنائیں گے۔ جو نہیں مانتے اُن کو اختیار ہے۔ میں دُنیا کا ٹھیکہ دار نہیں بن کر آیا ہُوں۔ صرف گُورو کے قرض کو ادا کرنا اپنا چند روز کا فرض سمجھ رکھا ہے۔

پنتھائی

مگر افسوس تو یہ ہے کہ پرمارتھ کا جو سلسلہ جاری کیا گیا تھا کال بھگوان نے اُس میں بھی دست اندازی کرنی شروع کر دی۔ خود اہلِ طریقت اور پنتھائیوں میں ایسے اَن ادھکاری جیو شامل ہو کر تنگدلی، تنگ خیالی اور تنگ نظری پھیلانا اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ اگر اور ڈوبتے تھے تو خیر۔ مگر یہ بھی بُری طرح سے کال چکر کے بھنور میں غوطے کھانے لگے۔ سمجھ بوجھ تو کسی کو خاک بھی نہیں ہے۔ نہ گُورو کے بچن ہی میں شردھا ہے۔ اُلٹی سُلٹی باتیں گھڑ کر جیووں کو بھرم میں ڈال رہے ہیں۔ آپ خود ڈوبے اور دوسروں کو ڈبو رہے ہیں۔ اختلافات اور تفرقات کا یہ عالم ہے کہ جس کو دیکھ کر رُونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہر چہار طرف سے یہی آواز آتی ہے۔ ”مُرغیو! دوسرے ڈبوں سے نکل کر ہمارے ڈبے میں آ کر پھنستی جاؤ۔ اور دوکانداروں کے پاس نہ بھٹکو۔ ہماری دوکان سب سے اچھی ہے۔“ لو صاحب! اسنت مت نہ ہُوا۔ یہ بھی دوکانداری ہو گئی اور سچ مچ وہ دوکانداری ہے۔

سب سے بڑا جھگڑا جو آج کل کے اکثر ست سنگیوں میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ”میرا گُورو ہی ستگورو وقت ہے۔ باقی سب گمراہ ہیں۔“ مگر ایک بھی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جو وقت کے گورو کی بھی سمجھ رکھتا ہو۔ چلے تھے پرمارتھ کمانے اور اٹکے بُرے غار میں! ہم کو تو اپنا کام بنانا چاہیئے یا فضول باتوں میں پڑ کر جنم کو ضایع کرنا چاہیئے؟ میں کشمیر گیا تھا۔ وہاں ایسے جھگڑالو ملے جن سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ کرنل اننت رام صاحب

کوارٹر ماسٹر جنرل کہنے لگے:۔ کاش اگر آپ کی تحریر سے دلچسپی نہ ہوئی ہوتی تو میں کبھی مذہب کا نام تک نہ لیتا۔ یہ نہایت تنگ دل گروہ ہو گیا ہے۔

افسوس! کیا بات تھی اور کیا ہو رہا ہے!

کامی سے کرودھی بُرا جو ہٹ کر مانڈے رار
سیوک کُتّے سے بُرا جو گُورو دِلادے گار

یہ سنت مت کے سیوک کیسے ہیں جو اُسے بدنام کر رہے ہیں۔ مگر اندھی دُنیا کو کہا جائے اُس کی نظر سچائی کی طرف نہیں ہے۔ لکیر کے فقیر لکیر کو پیٹ رہے ہیں اور بھائی بھائی کے درمیان تفرقہ مچا رہے ہیں۔ کیا پریم کے مارگ میں آ کر ایسا ہی کرنا تھا؟ سوچنے اگر ذرا بھی عقل سلیم رکھتے ہو تو ان واقعات کو دیکھ کر خود نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ سے کیا کہلواتے ہو۔

ست پُرش رادھا سوامی صاحب کی پاک بانی کیا عجب اسی موقع کے لئے کہی گئی ہو۔ اُس کا صرف مطلب خیز ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے:۔

کال نے جیووں کو عجیب طرح سے بھرمار رکھا ہے۔ اور تو اور ست سنگیوں کے درمیان بھی تفرقے ڈال دئے گئے ہیں جو آپس ہی میں کٹے مرتے ہیں ست سنگ کر کے ان کو کیا فائدہ ہوا جو بھکاریوں کی طرح بھی من نہیں بنا اور ست سنگی اور ست سنگیوں میں پریم اور محبت کے عوض دل میں حسد اور بغض پیدا کر لیا۔

ست سنگت کر کیا پھل پایا   اُن جیسا بھی من نہ بنایا

ان کو اگر کوئی سمجھاتا ہے کہ تنگ دلی اور تعصب روحانی مرض ہیں تو وہ ادھر دھیان تک نہیں دیتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سنت مت کے بالکل ادھکاری نہیں ہیں اور اپنے ساتھ ناحق اوروں کا بھی نقصان کرتے رہتے ہیں۔

وقت کا گورو

وقت کے ستگورو کی جہاں اور بہت سی پہچان مقدس کتابوں میں لکھی ہوئی۔

ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ

"مقتضائے وقت کو سمجھ کر اسی کے موافق تعلیم دے شبد اور ساکھیوں ہی کو سنا سنا کر لکیر نہ پٹوائے"

جگیاسو سینکڑوں ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ ویدانتی کو ویدانت کے رُو سے، صُوفی کو تصوّف کے نقطۂ نگاہ سے، سناتنیوں کو سناتن سدھانت سے، سائنس دانوں کو سائنس کے پہلو سے، سانکھیہ وادیوں کو سانکھیہ یوگ کی ریتی سے، جوگیوں کو جوگ کے مقصد اور دوسروں کو انہیں کے خیال کے موافق تعلیم دے کر جو آخر میں سنت مت کا اصول ذہن نشین کرا کے ست سنگ میں شامل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو وہی شخص اصل میں آچاریہ پدوی کا مستحق ہو سکتا ہے اور جو سچّے اعتراضات کو سن کر معترضوں کو ست سنگ سے خارج کرنے کا فتویٰ دیتا ہے وہ آچاریہ کیسا ہوا؟ یہ علم و عقل کا زمانہ ہے۔ کوئی شخص سوائے بھولے بھالے اور سادہ لوح آدمیوں کے کسی کی بات ماننے لگا! عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے دُنیا میں سب ہی تو نہیں ہیں جو ایمان لائیں گے! ایک تو یہ خصوصیت ہونی چاہئے۔ اسی کا نام مقتضائے وقت کی تعلیم ہے اور ایسی تعلیم دینے پر قادر ہو وہی شخص ستگورو وقت کہلایا جا سکتا ہے۔ بے وقت یا اور وقت کی تعلیم اس وقت کارآمد کیسے ہوگی! ایک تو یہ بات ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وقت کا گورو جگیاسو کی حالت کا پتہ اُس کی شکل و صورت دیکھ کر لگا لیتا ہے اور اُس کے صرف اسی پہلو کو چھیڑتا ہے جس کے دبانے سے وہ راہِ راست پر جلد آ جاتا ہے۔ غیر ضروری پہلو کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ دوکاندار نہیں ہوتا، نہ دوکانداری کرتا ہے وسیع نظری اس کی خصوصیت ہے۔ اگر وہ آزاد دل، آزاد منش اور آزاد باطن ہوگا تو کبھی کسی شخص کو قید و بند یا تعصب کی زنجیر میں گرفتار نہ کرے گا۔ آزاد کسی کو پھنساتا نہیں۔ وہ خوشی سے اجازت دیتا ہے کہ ہر جگہ ست سنگ میں جا کر جہاں سے جو بات سمجھ میں آوے حاصل کرو۔ نیکوں کی صحبت خواہ وہ کسی طریق کے ہوں ہمیشہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ یہ کیا کہ ہمارے سوا کہیں نہ جاؤ۔ سنت مت وسیع نظری کا طریق ہے۔ اس میں تنگدلی کیسی!

یہ موٹی موٹی پہچان کی باتیں ہیں جو یہاں بغیر کسی تصنع، بناوٹ یا تعصب کے قلمبند

کی گئی ہیں۔ سمجھدار آدمی خود سوچ سمجھ کر اپنے لئے نتیجہ اخذ کرسکتا ہے۔ ناحق کیوں کسی مضمون کو طول دیا جائے۔

اس قسم کا وقت کا ستگور ایک مرتبہ پانچ سو برس کے قریب ہوئے جب پیدا ہُوا تھا۔ دُنیا میں تعصب کی تاریکی کی گھٹائیں گھٹاٹوپ چھا رہی تھیں۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اختلافات اور تفرقات کی وہ حالت تھی کہ اِنسان اِنسان کا دشمن بنا ہُوا تھا، جان اور مال دونوں خطرے میں تھے، معبد اور منادر کی حالت ناگفتہ بہ تھی، خون کی ندیاں وقتاً فوقتاً بہتی رہتی تھیں، حقیقت کی طرف سے سب کو بے خبری تھی اور سب نے اُس کے مناظر کی طرف سے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں۔

کبیر صاحب

اس وقت کے سنت ستگور کا نام ست کبیر تھا اور مذہبی دُنیا میں وہ اسی پاک پیار اور قابلِ تعظیم نام سے مشہور ہُوا۔ اب بھی لوگ اُسے اِسی نام سے یاد کرتے ہیں۔

کبیر صاحب کا ظہور (جہاں تک نوشتہ جات اور زبانی روایتوں سے تعلق ہے) سنہ ۱۴۵۵ بکرمی کی جیٹھ سُدی برسایت میں ہُوا۔ جس وقت محمود تغلق ہندوستان کا بادشاہ تھا وہ سمت ۱۵۴۹ بکرمی میں سکندر لودھی کے دربار میں آئے تھے۔ اُس وقت اُن کی عمر نوّے سال کی تھی اور وہ سمت ۱۵۷۵ بکرمی میں پورے ۱۲۰ برس کے ہو کر اپنا کام کرنے کے بعد پھر گُپت ہو گئے۔

کبیر صاحب کون تھے اور کون نہیں تھے یہ ایک سربستہ راز ہے جو اب تک ویسا ہی حل نہ ہونے والے معمہ کی طرح چلا آتا ہے اور یہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اگر اور زمانہ ہوتا تو لوگوں کو اُن کی ہستی سے انکار ہوتا اور وہ فرضی شخصیت تسلیم کئے جاتے مگر چونکہ تواریخی زمانہ میں پرگٹ ہوئے تھے اور اُن کی نسبت موافق اور غیر موافق گروہوں کی شہادتیں موجود ہیں اِس لئے اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ تھے ضرور ہاں اُن کے حسب اور اصل نسل کا معمہ اب تک جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ معتقدین کی روایتیں اُن کی زندگی کے

واقعات کے ساتھ جو وابستہ کردی گئی ہیں وہ بالعوض روشنی ڈالنے کے اُس بھید کو اور بھی تاریکی کے پردہ میں چھپا دیتی ہیں اور کسی کو دم مارنے کی جُرأت نہیں ہوتی۔

اپنے متعلق کبیر صاحب نے جو کچھ خود زبان سے فرمایا ہے وہ رُوحانیت کے شایقین اور علم معرفت کے طالبین کے لئے ضرورت سے زیادہ کافی ہے اور وہ عالمانہ اور محققانہ تفتیش سے پرہیز کرتے ہوئے اُن کی تعلیم کے سلسلہ شبد اور ساکھیوں کی صورت اور موقع موقع کی بانیوں کی شکل میں اُن کی جلالی اور جمالی زیارت سے اپنے دل کو مسرور دماغ کو پُرنور کر لیتے ہیں اور اسی کی زیادہ تر ضرورت رہتی ہے۔ اُنھیں اس تحقیقات سے لینا کیا ہے کہ وہ کس قوم میں پیدا ہوئے تھے اور اُن کا طرزِ معاشرت کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

خود کبیر صاحب کی زبانی ہے:-

شبد

اب ہم اوگت سے چل آئے
اس مایا نے جگ بھرمایا میرا بھید نہ پائے
نا میرے جنم نہ گربھ بسیرا بالک ہوئے دِکھلائے
کاشی پُوری میں جنگل ڈیرا تہاں جولاہا نے پائے
نا میرے گن دھرن پُن ناہیں مَیں ہُوں گیان اپارا
آتم رُوپ پرگٹ نج جگ میں سوئی نام ہمارا
نا میرے استھی (ہڈی) رکت (خون) نہیں چرما ہم تو شبد پرکاسی
دیہہ اپار پار پُرشوتم کہیں کبیر ابناسی

اس بانی کے مطلب نیز ترجمہ کی صورت اس طرح پر ہوگی:-

"میں نے اب بے حدی کے طبقہ سے آکر اپنا ظہور کیا۔ مایا نے دُنیا کو اس طرح بھرما رکھا ہے کہ کسی کو میرا بھید نہیں ملتا۔ نہ میں پیدا ہُوا نہ ماں کے پیٹ میں آیا صرف لڑکے کی شکل میں اپنے ظہور کا تماشہ دکھلایا۔ بنارس کے ایک غیر آباد جگہ میں ڈیرا ڈالا تھا۔ جولاہے کی نظر پڑ گئی۔ وہ وہاں سے اُٹھا لایا۔ آسمان اور زمین میرے مایا ہیں۔ (ان کا وہم محض میرے وجود میں ہوتا ہے) میں اپار اور غیر محدود گیان ہُوں اپنی اصلی ہستی میں آتم روپ میں پرگٹ اور پرکاشوان رہتا ہُوں۔ وہی میرا نام ہے ہڈی، خون، چمڑا وغیرہ سے مجھے تعلق نہیں ہے (میں جسمانی اور مادی نہیں ہُوں) میں صرف شبد پرکاشی ہُوں (اور اگر میرا جسم مانتے ہو تو) میری جسامت (یعنی کایا) اپار ہے اور میں اس کے بھی پرے ہُوں۔ میں پرشوتم، ذات حقیقی ہُوں۔ لافانی کبیر اپنی شخصیت اور اپنی ہستی کے متعلق دُنیا کو اس طرح کی خبر دیتے ہیں۔"

یہ تو کبیر صاحب کی اپنی بابت شہادت ہے جو ہر طرح پر قابلِ غور ہے اور علم عرفاں کے شایق کی آنکھوں کے سامنے ذاتِ واجب الوجود کا لاثانی نظارہ پیش کرتی ہے۔

قدیم نوشتہ جات کے سلسلہ میں نارائن داس نابھاجی کے بھگت مال کی کہانی جو اس وقت تک سینہ بسینہ روایت کی صُورت میں چلی آرہی تھی اس رمز کے متعلق روشنی ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ اُس کے مطلب کو شری ہری داس جی سادھو نے اس طرح اپنی بانی میں ظاہر کیا ہے:-

چھند

(۱) چودہ سو پچپن کے سمت چندر بار اک ٹھاٹھ ٹھٹے
جیٹھ شُدی برسایت کے دن پورنماشی کے تتھ پرگٹ بھئے
(۲) گھن گرجے اور دامنی دمکے، بُوندن کے جھڑ لاگ گئے
لہرتلاب میں کمل کھلے تہاں بھانو کبیر پرکاش بھئے
(۳) گونا لے کر نیرو آیو نرکھا دنت بھئے
نیرو نُماں، لہرتلاو میں، پانی پیون گئے
(۴) بھئے بس بولی سُندر نُماں من میں تراس بھیا بھاری
یہ بالک یہاں کس نے ڈارا بیاہی وا بدھوا ناری
(۵) نیرو بولا تو سُن نُماں کہئی بالک ہوکر ہنسے
میرو گھر خالی ہے پیاری لے چل گھر سکھ چین لسے
(۶) یہ بالک اتی ادبھت سُندر سوبھا دھاری، دُکھ ہاری
ہری داس کو ہیرا ہاتھ لگیو تن بسر کو گٹ کیو بھاری
(۷) نُماں بولی سُنو میاں میرو من ڈریت ہے بھاری
لوک لاج کُل کاج جایگو کاشی میں شور مچے ساری
(۸) بولا نیرو سوچ نہ کر یہ بالک ہوے گا سُکھ کاری
سُندر صُورت موہنی مُورت کنول نین میں چھبی نیاری
(۹) من مگن بھئے، کر باں لیٹے اور ناری پُورش گھر آئے گئے
کُل کی سب ناری لگی پُوچھن یہ بال کہاں تم پائے گئے
(۱۰) جب بالک گھر دیکھ پڑیو تب کھربر سربر بھئی بھاری
یہ لڑکا کہاں سے لائے ہو مل پُوچھن لاگے نر ناری
(۱۱) بن جنمیو لڑکا ہم کو ملیو یا کو ہم گھر میں لائے ہیں
ہری داس کو پیارو لاگت ہے یہ سب ہی کے من بھائے ہیں

"سمت چودہ سو پچپن سوموار کے دن جیٹھ سُدی برسایت، پُورنماشی کی تتھی کے روز عجیب نظارہ نظر آیا۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی۔ پانی کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اُس دن لہرتلاب میں کمل کھلے ہوئے تھے۔ یہاں کبیر صاحب سُورج کی طرح جگمگ پرکاش کر رہے تھے۔ فوراً جولاہا اپنی بیوی نُماں کا گونا کرا کے گھر آ رہا تھا۔ پیاس کی شدت تھی۔ پانی پینے کی نیت سے تلاب کی جانب رُخ کیا۔ نُماں لڑکے کو دیکھ کر ڈر گئی۔ شوہر سے پُوچھا "لڑکے کو یہاں کون ڈال گیا ہے۔ یہ کسی

سوہاگ دتی کا کام ہے یا بیوہ عورت کا؟" نعمان نے کہا "میرا گھر لڑکے سے خالی ہے کئی لڑکے پیدا ہو کر مر گئے۔ اسے گھر لے چل تاکہ میرا گھر اس سے آباد ہو جائے اور مجھے خوشی نصیب ہو۔ یہ لڑکا بہت حسین، مہ جبین، خوبصورت اور دل کو خوش کرنے والا معلوم ہوتا ہے۔"

نعمان بولی "میاں! بات تو ٹھیک کہتے ہو مگر میں ڈرتی ہوں۔ کاشی میں شور مچ جائے گا بدنامی ہوگی۔" نورا نے جواب دیا "کچھ سوچ نہ کر۔ اس لڑکے سے تجھے بڑی خوشی ملے گی یہ اچھی شکل صورت والا ہے۔ کمل کی طرح اس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔"

جب وہ لڑکے کو گود میں لے کر گھر آئے محلّہ میں شور مچ گیا۔ عورت مرد سبھی پوچھنے لگے "یہ تم کو کہاں مل گیا؟" نورا نے سب کی تسلی کی۔ "یہ اچھا بالک ہے۔ ہم کو راہ میں ملا یہ سب کا پیارا ہوگا۔"

یہ نظم کبیر صاحب کے واقعہ ظہور کو اس طرح سُناتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی بات نہیں سُنی جاتی اور نہ کسی مورخ ہی نے اس کے برخلاف کوئی بات لکھی ہے۔

کبیر صاحب کا بچپن

کبیر صاحب اصل میں مالکِ کُل کے ظہور کے نظارہ تھے۔ ابتدائے عمر ہی سے وہ حقانی راگ گایا کرتے تھے جسے سُن کر سب دنگ اور حیران رہتے تھے۔ تمام مکان اُن کے رام نام کی صدا سے گونجتا رہتا تھا۔ یہ تعجب کی بات ضرور تھی۔ مسلمانوں کے درمیان پرورش یافتہ کمسن بچہ کو رام نام کا جاپ کرتے رہنا اور بھگتی بھاو کے شبد سُناتے رہنا حیرت انگیز مضمون ہے۔ اس سے انکار کون کر سکتا ہے! مگر یہ دُنیا خود عالمِ امکان ہے۔ جب یہاں غیر ممکنات تک کا امکان ہے تو ممکنات کا امکان کیوں نہ ہوگا۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کا نکتہ ہے۔

جب شری سوامی شنکراچاریہ جی نے دس برس سے پہلے ہی کی عمر میں اُپنشدوں پر ٹیکا لکھی تھی اور سنت پُرش رادھا سوامی دیال نے پانچ ہی برس کی عمر میں اپنے ماں باپ کو سُرت شبد یوگ کے قاعدہ کی تلقین کی تھی تب سنت کبیر کے متعلق غلط اعتراضات

اُٹھانا نادانی اور ناسمجھی کی گفتگو ہے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے:-

"کہیں کبیرؔ ہم دُھر کے بھیدی لائے حُکم حضوری"

اُن کے اسی ایک کلام میں اُن کی اصلیت اور اصلی رُوپ کا پتہ لگتا ہے۔ ہٹ دھرمی اور متعصب آدمی کی تو میں کہتا نہیں۔ انصاف پسند آدمی کبیر صاحب کے کلام کو سُن کر اُن کی خیالی بلند پروازی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُن کی بانی میں نہ صرف ویدک رشیوں کے اُپنشدوں کے آسمانی نغمہ کا مزہ ملے گا بلکہ کسی کسی حالت میں وہ اُن سے بھی بہت اُونچے اور بلند تر روحانی مقامات کا پتہ دیتی ہے۔ بُدھ بھگوان کا طرزِ تعلیم نہایت ہی سادہ صاف اور دل پسند ہے۔ یہ کمال سب سے پہلے قدرت میں اُن کو عطا ہُوا تھا مگر کبیر صاحب رُوحانی نقطۂ نگاہ سے قابلِ تعظیم بُدھ بھگوان پر بھی فائق نظر آتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبیر صاحب کے شاگرد دُنیا میں اتنے نہیں ہیں جتنے کہ بُدھ بھگوان کے ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ اُن کی رُوحانی تعلیم میں کسی قسم کی کمی تھی۔

جب وہ پانچ برس کے ہوئے محلّہ کے مسلمان لڑکوں کی جماعت اُن کے ساتھ رہنے لگی۔ یہ جابجا گھوم پھر کر رات دن رامؔ نام کا شبد سُناتے رہتے تھے۔ یہ حرکت مسلمانی نقطۂ نگاہ سے ناپسندیدہ تھی۔ ہندو مذہب میں ضعف آگیا تھا۔ مُلک کی سیاسی حالت اُس کی مخالف تھی۔ ایسی حالت میں کسی مسلمان کا رامؔ نام کی صدا سُنانا کب کسی کو پسند آنے لگا تھا مگر اس میں مالک کی کچھ موج تھی۔ مالک کو منظور تھا کہ مسلمانوں کے ذریعہ پھر ہندوؤں کے پاک خیالات کی مُلک میں اشاعت ہو اور ہم صاف دیکھتے ہیں کہ نہ صرف کبیر صاحب ہی کی ذات اِس قسم کے طرزِ تعلیم کی بانی اور محرک ہوئی ہے بلکہ اُن کے سلسلہ میں اور پنتھائیوں نے بھی اسی آئین کو تازگی اور تقویت بخشی ہے۔ دادو صاحب، رجّب صاحب بہار اور راجستھان کے دونوں دریا صاحبان، یاری صاحب اور دہلی کے گھیسا صاحب اور اس قسم کے کثیر التعداد مسلمان رُوحانی معلم یکے بعد دیگرے اُٹھ کھڑے ہُوئے جو کبیر صاحب کے قدم بقدم چلنا اور ہندو مسلمان دونوں کو چُن کر ایک برادرانہ رشتہ میں جکڑ دینا اپنا فرض سمجھتے تھے یہ واقعہ بطورِ خود اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسا زبردست معجزہ ہے جو انسان کو متعجب اور متحیر ہونے

باز نہیں رکھ سکتا۔ اس طرزِ تعلیم کے موجد کبیر صاحب ہی تھے۔ بعد ازاں جو سادھو اور سنت پیدا ہوئے اُن کے مُقلد اور پَیرو ہوتے گئے۔

اُوپر کی عبارت سے کبیر صاحب کی ذاتِ پاک میں ہندو دھرم کی طرفداری کا دھبہ لگتا ہے جو شانِ فقیری کے برخلاف ہے۔ کبیر صاحب نہ ہندو تھے نہ مسلمان تھے۔ وہ کیا تھے اس کا بانو اُنھیں خود پتہ ہوگا یا مالک کو اور یا مالک کے اُن پریمی بھکتوں کو جو اُس کا نام لیتے ہوئے ذات پات کے بندھن کو توڑ دیتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے طرفداری اور حمایت بھی مان لیا جائے تو اُس کا سبب یہ تھا کہ ہندوؤں میں اُس وقت ادھکاریوں کی تعداد بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ تھی اور جس طرح برہمہ کا وِشنو اوتار بھگتوں کی حمایت اور دھرم کی حفاظت کے لیے ہُوا کرتا ہے اُسی قدرتی قانون کے بموجب سنتوں کا ظہور روحانیت پسند ادھکاریوں کی رہبری کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے سوا کبیر صاحب نے صرف ہندؤں ہی کو نہیں چتایا بلکہ ان کے زُمرۂ معتقدین میں کثیر التعداد مسلمان بھی شامل تھے۔ اس پر آگے چل کر پھر اور ذکر کیا جائے گا۔

جو متعصب مسلمان اُس محلّہ سے گُذرتے لڑکوں کو رام نام گاتے ہوئے سُن کر کہتے یہ سب کے سب کافر ہو رہے ہیں۔ کبیر صاحب موقع پسند طبیعت لے کر آئے تھے۔ چونکہ وقت کے سنت سنگُرو تھے مقتضاءِ وقت، مصلحتِ وقت اور ضرورتِ وقت کے موقعوں پہ نہیں چُوکتے تھے۔ وہ اُنھیں سُنا کر کہتے:۔

گلا کاٹ بسمل کریں۔ سو کافر بے بُوجھ
اوروں کو کافر کہیں۔ اپنا کُفر نہ سُوجھ
کبیر وہ نر پیر ہیں۔ جو جانیں پر پیر
جو پر پیر نہ جانہیں۔ سو کافر بے پیر

کبیر ہندی کے شاعر

یہ ہمیشہ ساکھی اور شبد ہی میں جواب دینے کے عادی تھے۔ قدرت نے ان کو فطرتاً

شاعر بنایا تھا۔ ہندی زبان کی تقویت دینے والے بھی کبیر صاحب ہی ہوئے ہیں اور اگر ہندوؤں میں قومی تعصب نہ ہوتا تو وہ کبیر صاحب ہی کو ہندی کا جدِّ امجد تسلیم کرتے۔ اُن سے پہلے اس مُلک میں ہندی نظم کا نہ رواج تھا اور نہ کسی نے اس قدر نظم میں کثرت کے ساتھ کلام کہے ہیں۔ زمانہ اس بات کا شاہد ہے۔ نابھاجی اپنے بھگت مال میں اقرار کرتے ہیں کہ "بانی اریوں کھرب ہے کرتا پُرش کبیر" چند کوی اپنی پرا اکرت نظم بدوِر ختم کر کے موت کی گود میں صدیوں پہلے سو چکا تھا۔ کبیر صاحب آئے اور پراکرت کو موجودہ ہندی کا جامہ پہنایا۔ بے شمار شبد کہے اور ہمالیہ کی چوٹی سے لے کر راس کماری تک اور دوارکا سے لے کر جگنا تھ پوری تک اُن کے شبدوں کی صدا آوازِ بازگشت کی طرح ہر چہار طرف گونج اُٹھی۔ اُن کے بچپن کے عہد کے مسلمان معترض اُن کا برجستہ کلام سُن کر دانتوں تلے اُنگلی دباتے تھے۔ سچائی اثر سے خالی نہیں رہتی۔ وہ متاثر ہو جاتے تھے اور چُپ چاپ چلے جاتے تھے۔

مگر اس سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ تمام مسلمان درگذر کرتے تھے۔ اس بات کی امید کب ہو سکتی ہے۔ خود اُن کے ماں باپ کو شکایت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کبیر صاحب سچے اور راسخ الاعتقاد مسلمان بنیں۔ دھنی دھرم داس جی نہ صرف کبیر صاحب کے ہمعصر ہی تھے بلکہ اُن کے گورو مُکھ چیلے بھی تھے۔

دُنیا میں نئی تعلیم، نئی ایجاد اور نئی تراش خراش کا رواج اکثر بغیر مخالفت اور مزاحمت کے نہیں ہوتا۔ ان سب سے کبیر صاحب کا مقابلہ کرنا مذہبی تواریخ میں نیا واقعہ نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ایسا ہی چلا آیا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرے گا۔ کیا اس زمانہ میں زادھا سوامی مت کی کم مخالفت کی گئی ہے! کتنی غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ خود مجھ پر کتنے ظلم ہوئے مگر سچائی آخر میں فتحیاب ہُوا کرتی ہے۔

جب ہندو مسلمان کسی کا زور نہیں چلا کاشی کے پنڈتوں نے ایک تدبیر سوچی۔ وہ کبیر صاحب کے پاس آئے۔ دیکھا کہ پیشانی پر رامانندی تلک لگا رکھا ہے، گلے میں کنٹھی پہن رکھی ہے، پیپی پوتی جھگوں میں بیٹھتے ہیں اور محلّے کے لڑکوں کو ساتھ لے کر رام نام کا شبد گاتے ہیں۔

پنڈتوں نے پُوچھا "تیرا گورو کون ہے"؟ کبیر صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ اس سوال کے پردہ میں کیا بات چھپی ہے! پنڈتوں نے کہا "بغیر گورو کیے ہوئے مالا تلک دھارن کرنا اور رام رام کہنا بے معنی ہے اور منع کیا گیا ہے۔ تُو اس حرکت سے باز آجا اور سانگ نہ بنایا کر"۔

بات ٹھیک تھی۔ نگورے یا بے مُرشدے کو مالک کا نام لینے سے فائدہ نہیں ہوتا ہندوؤں میں یہ وشواس بے شمار برسوں سے چلا آتا ہے اور اب سُنّی مسلمان بھی ایسا ہی کہنے اور ماننے لگے ہیں۔ کبیر صاحب نے دل میں غور کیا۔ اُس وقت بنارس میں سوامی رامانند جی مشہور سادھو رہتے تھے۔ اُن کے گورو بنانے کی ٹھان لی مگر وہ ایسے کٹر وشنو تھے کہ غیر ہندو یا نیچے اور اچھوت ذات والوں کا دیکھنا تک پسند نہیں کرتے تھے۔ کسی مسلمان کا چیلا بنانا تو الگ رہا! تاہم کبیر صاحب نے حکمت عملی سے اُن کو گورو بنا ہی لیا جس واقعہ کا علم قریب قریب تمام ہندوؤں کو ہے۔

کبیر رامانند کے چیلے

دوسرے دن جب وہ لڑکوں کے ساتھ مل کر بھجن کرنے لگے۔ اُن سے پھر وہی اعتراض کیا گیا۔ جواب دیا "رامانند جی میرے گورو ہیں"۔

یہ خبر عوام میں پھیل گئی کہ رامانند جی مسلمان کو بھی شاگردی میں لینے لگے۔ وہ گھبرائے۔ کبیر صاحب کو بُلا بھیجا اور پردہ کے اندر سے پُوچھا "میں نے کب تجھے چیلا بنایا تھا"۔ آپ نے جواب دیا "رات کے وقت آپ دساسومیدھ گھاٹ پر اشنان کرنے گئے تھے میں سیڑھی پر لیٹا ہوا تھا۔ آپ کے پاؤں کا کھڑاؤں میرے جسم پر پڑ گیا۔ مجھے درد معلوم ہوا۔ میں رونے لگا۔ آپ نے سر پر کئی مرتبہ ہاتھ پھیر کر کہا "بیٹا! رام رام کہہ"۔ اُس وقت سے میں آپ کا چیلا بن گیا اور آپ میرے گورو ہو گئے۔ آپ نے رام کا نام دے کر مجھ کو شانتی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اس سے زیادہ اور کوئی گورو کسی چیلے کو کیا تعلیم دیتا ہے"۔

رامانند کو حیرت ہوئی۔ بات سچی تھی۔ خوش ہو کر بولے "تو بہت بڑا ادھکاری چیلا ہے اور

اب تیرے عقیدہ کو دیکھ کر مجھے تیرے چیلا کہنے سے انکار نہ ہوگا"۔

یہ کبیر صاحب کے وقت کے سنت ستگور ہونے کا اگر پہلا نہیں تو ایک واقعہ ہے۔ رامانند جی اور کبیر صاحب کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق تھا جس کا پتہ ان دونوں کے کلام کے مقابلہ کرنے سے لگ سکتا ہے۔ مالک کو یہ منظور تھا کہ کسی طرح رامانند جی کی مذہبی تنگ خیالی اور تعصب کو دھکا پہونچایا جائے اور وہ راہ راست پر آئیں۔ کبیر صاحب نے اس فرض کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا۔ گورو اور چیلا فرضی تعلقات ہیں اور دُنیا میں جتنے رشتے ہوتے ہیں سب ہی تو فرضی اور خیالی ہیں۔ سچے یقین کر لینے سے وہ سچے اور جُھوٹ ماننے سے وہ جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ مانو تو دیو نہیں تو پتھر۔

نِشٹھائیں اور بھگتی

جیووں کے چتانے کے بے شمار طریقے ہیں۔ کہیں گورو بن کر چتایا جاتا ہے اور کہیں چیلا کی حیثیت میں وہی فرض ادا کیا جاتا ہے۔ کوئی مالک کو اپنا باپ تسلیم کر کے پُوجتا ہے کوئی اُسے دوست سمجھتا ہے۔ ہندوؤں کے درمیان اس قسم کے عقیدہ کی پختگی کرنے کی کئی صورتیں ہیں جن کو نِشٹھا کہتے ہیں۔ اور بھگتی مارگ میں پُورن برہمہ اوتار مہا پربھو کرشن چند آنند کند نے اپنی ذات سے ان سب نِشٹھاؤں کی بنیاد رکھ کر عملی مثال سے اُن کی مصلحت اور ضرورت کو ذہن نشین کرایا ہے۔ وہ کسی کے بیٹے بنے کسی کے دوست اور کسی کے چیلے بنے اور کسی کے گورو اور علیٰ ہٰذالقیاس بھگتی بھاو کی اصلی ابتدا کرشن بھگوان ہی سے ہوئی ہے۔ ان سے پہلے بھگتی بھاو کا ظہور ظاہری، عملی اور یقینی صورت میں نہیں ہُوا تھا۔ رشیوں کے درمیان صرف دو طریقے رائج تھے۔ کرم کانڈ اور گیان کانڈ۔ تیسرا طریقہ اُپاسنا کانڈ موجود ضرور تھا مگر وہ بھگتی نہیں تھا۔ اُپاسنا کا مطلب ہے صحبت اور قربت کا درجہ حاصل کر کے سوال اور جواب کے سلسلہ میں وچار کو ترقی دینا۔ اُپاسنا سنسکرت مادّہ "اُپ" (قریب) اور "آسن" (بیٹھنے) سے نکلا ہے۔ قریب بیٹھنے کا نام اُپاسنا ہے اور بس! کرشن بھگوان نے پیدا ہو کر اُس اُپاسنا کی شکل میں تبدیلی پیدا کر دی۔ اور دھیان و چا

یوگ وغیرہ کو ملا جُلا کر اُسے بھگتی کا نام دیا جو وسیع نظری اور وسیع دماغی کا یقینی ذریعہ ہے۔ میری باتوں پر نہ جاؤ شریمد بھگوت گیتا کا بغور مطالعہ کرو۔ یہ مختصر مگر ایسی مکمل کتاب ہے جس میں ہر قسم کے مذہبی خیالات کا معجون مُرکب بنایا گیا ہے اور ایک ایسی دل پسند شکل قایم کی گئی ہے جو ہر ایک شخص کے کشش کی باعث ہے۔

یہی تعلیم دینے کا ڈھنگ کبیر صاحب کی ذات میں نظر آتا ہے۔ اُنھوں نے مختلف طریقوں پر مختلف جیووں کو چتایا ہے۔ کبیر صاحب نہ آج جیسے فقیر تھے اور نہ کسی ایک کیر کے پیٹنے کی ہدایت کرتے تھے۔ جو اس طرح کا بسیط نظر اور وسیع نظر ہو اُسی کو وقت کا ستگور کہا جاتا ہے آپ خود فرماتے ہیں:-

کتھتا، بکتا بہت ہیں۔ متھ کاڑھے تے اور

یعنی دُنیا میں بحث کرنے والے، جھگڑنے والے مذہبی منادوں کی کمی نہیں ہے مگر جو لوگ متھ کر تتو اور جوہر کو نکال لیتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اور انھیں کا نام وقت کا سنت ستگور ہے۔ پُوران دھنی حضور رائے سالگرام صاحب بہادر بھی اسی طرح کے ستگور وقت تھے۔

شری رامانج جی کے تذکرہ کے ساتھ اب یہاں اُن کے مذہبی سلسلہ کے بتانے کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو پتہ لگ جائے کہ کس طرح بھگتی پنتھ کی بنیاد قایم کی گئی ہے۔

ویشنو دھرم

دکن (دراوڑ) دیس میں ایک بُزرگ ہُوئے ہیں جن کا نام شٹ کوپ تھا۔ یہ بہت نیچی اور اچھوت ذات کے آدمی تھے۔ ان کی قوم 'کنجر' تھی۔ انھوں نے ابتدا میں وشنو سمپردا کی عمارت کھڑی کی۔ چونکہ یہ جگت تِرگُن تمک ہے اس لئے مذہب میں بھی تینوں گن ست، رج اور تم کا خاصہ موجود ہے اور اُن کے تین دیوتا یا تین رشی وشنو، برہما اور شیو تو گُنی ہیں۔ اِن کے تین طریقے ہیں۔ وشنو کا طریقہ بھگتی مارگ ہے اور وہ اُس کے ادھشٹاتا ہیں۔ برہما کا طریقہ کرم کانڈ اور یگیہ ہون ہے۔ یگیہ، ہون اور کرم کانڈ کی تمام شاخوں کے ادھشٹاتا برہما ہی ہیں۔

شیو بھگوان کا طریقہ گیان کانڈ ہے۔ ویدانت اور اُس کی تمام شاخوں کی ادھشٹاتائی کا تعلق شیو مہاراج کی ذات سے ہے۔ اس نظر سے بھگتی کی ستوگُنی، کرم کانڈ کی رجوگُنی اور گیان کی تموگُنی حیثیت ہے۔ سوائے نادان جھگڑالو آدمیوں کے دوسرے لوگ جو ذرا بھی سمجھ بُوجھ رکھتے ہیں کبھی اِن سچائیوں کے صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہ کریں گے۔ تموگنی اور رجوگنی اصطلاحات کو سُن کر کسی کو ناک بھوں سکوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مذہبی رموز ہیں جن کا علم ست سنگ میں وسیع پیمانہ میں بخشا جاتا ہے۔ جن کو ست سنگ میسر نہیں ہے وہ انھیں اچھی طرح نہ ذہن نشین کرتے ہیں نہ سمجھانے اور سمجھنے پر قادر ہوتے ہیں۔ گیان کو صرف اِس وجہ سے تموگنی کہا جاتا ہے کہ تم سب کا آدھار ہے۔ اُس میں ٹھہراؤ کی شکتی ہوتی ہے۔ اُس میں مضبوطی اور دیرپائی رہتی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو نہ دُنیا کا کام ہو سکے گا نہ دین کا۔ اِس کی نرالی حیثیت ہے۔ یہ ابتدا اور انتہا دونوں ہی ہے۔ رجوگنی میل جول کی درمیانی حالت ہے اور ستوگنی اونچی اوستھا کا نام ہے۔

اِن تین گُنوں کے ادھشٹاؤں کے مذہبی معماروں نے تین مقامات قایم کئے ہیں۔ وشنو کشیر ساگر میں رہتے ہیں جو بالکل نرمل، سفید اور صاف شفاف ہے۔ اُس پر ہزاروں پھن والے زہریلے سیس ناگ کے بستر پر وشنو آرام کرتے ہیں۔ لکشمی پاؤں دباتی رہتی ہے۔ دیوتا خدمت کرتے ہیں۔ سمندر ہی تمام ہیرے جواہر کی کھان ہے اور وہ سب سے اونچا ہے اور وہی زمینی نظام کے قایم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ پانی اگر نہ ہو تو زندگی دُوبھر ہو جائے اسی وجہ سے وشنو کے ذمے جگت کے پالن پوشن اور سنبھال کرنے کا فرض لگایا گیا ہے۔ شیو کی حیثیت سب سے نیچی ہے۔ وہ کیلاش کی چوٹی پر رہتے ہیں۔ پہاڑ اور پتھر حد درجہ کے سخت ہے جس اور تموگنی ہیں۔ شیو کی جٹا سے گنگا نکلتی ہے جو پتت پاونی اور شانتی کی دینے والی ہے۔ اُن کے سر پر سانپوں کی جٹا جُوٹ ہے۔ گلے میں زہر ہے پربتا کار پاروتی اُن کی سیوا میں رہتی ہے۔ گلے میں مُنڈمال پڑا ہے۔ بھُوت پشاچ وغیرہ سیوک ہیں۔ پانی پینے کے لیے کھوپڑی دی گئی ہے۔ شیوجی کو یہ شکل اس وجہ سے دی گئی کہ وہ سنگھار کرتا ہیں اور سب کے ناش کرنے والے ہیں۔ گیان کی یہی حیثیت ہے۔ وہ سب کا ناش کرتا ہے۔ یہ نچلی اوستھا ہے۔

برعکس اِن دونوں کے برہما کی حالت بلونی کی ہے وہ رجوگنی ہے۔ رجوگن نام ہے ست اور تم کے بلونی کا۔ اِس وجہ سے برہما درمیانی حالت کا ادِھشٹاتا انترکش یعنی وسط میں رہتا ہے۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ ادھر میں لٹکا ہوا اور جیووں کو جدوجہد کے سلسلہ میں پھنسا رکھتا ہے اِس کے کرم کانڈ کے گورکھ دھندے میں جو پھنسا اُسی کی مُکتی کروڑوں جنم میں بھی نہیں ہو سکتی اِس نے زہر اور امرت دونوں کو ملا کر اِس جگت کی رچنا کی ہے کیونکہ وہ جیووں کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس طرح دیوتا وشنو کے اور بھوت پشاچ شیوجی کے گن ہیں ویسے ہی جیو اُس برہما کے گن ہیں۔ اِس کی خدمت گائتری یا ساوتری کرتی ہے جو اُس کی زبردست شکتی ہے یہ ان تینوں کی تین حیثیتیں ہیں۔ سوچو۔ سمجھو۔ غور کرو۔ تب یہ نکتے تمہاری سمجھ میں آویں گے اس سے پہلے اُس کے اِمکان کی اُمید نہیں ہو سکتی۔

مُکتی گیان اور بھگتی سے پراپت ہوتی ہے۔ بھکتی اُونچی اور گیان نیچی حالت ہے۔ کشیر ساگر اُونچا اور کیلاش نیچا ہے۔ اِس بات کو بھی کمتر آدمی سمجھیں گے۔ ذرا وچار کرنے کی ضرورت ہے۔ پانی سیّال اور لطیف ہے اِس لیے اُونچا ہے۔ پتھر اور پہاڑ مٹی کی سب سے زیادہ کثیف حالت ہے۔ اس لیئے وہ نیچے ہیں۔ سر لطیف ہے۔ اِس لیئے اُونچا۔ پاؤں کثیف ہے اس لیے نیچا ہے۔ تمام لطیف طاقتیں سر میں رہتی ہیں اور تمام کثیف طاقتوں کا تعلق پاؤں سے ہے۔ دونوں انتہائی حالتیں ہیں۔ مُکتی کا اِمکان انتہائی حالتوں ہی میں ہوتا ہے۔ اُونچے نیچے کی اصطلاح کی غلط فہمی میں جو پڑا اُس کا کام خراب ہوا۔ دونوں ہی انتہائی حالت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جہاں انتہائی حالتیں مل کر ایک ہو جاتی ہیں اُسی کو مکمل کہا جاتا ہے کمال درمیانی حالت میں کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ہر شخص جانتا ہے۔ جب دایرہ کے خط مل کر ایک ہوتے ہیں تب ہی مکمل اور مُدوّر صورت بنتی ہے۔ درمیانی خطوط ٹوٹے اور الگ الگ رہتے ہیں۔ اُن میں ایسی خوبصورتی نہیں ہوتی۔ اِس وجہ سے برہما کا طریق چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو درمیانی ہونے کی وجہ سے انتہائی منزل مقصود کا حامی نہیں بن سکتا۔ کرم کانڈ کے جتنے یگیہ اور ہون وغیرہ کیے جاتے ہیں وہ کسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں۔ مقصد کا انحصار خواہش پر ہے۔ اور جب کرم کرنے سے خواہش یا مقصد کی کامیابی نصیب ہوئی جزوی آرام

مل گیا۔ یہ اُس کا پھل ہے۔ اس کے بعد پھر وہی سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ مزدور جس طرح دن بھر کام کر کے مزدوری پا کر اور کھانے پینے کی طرف سے آسودہ ہو کر سو جاتا ہے اور دوسرے دن پھر مزدوری کے کام میں لگتا ہے اُسی طرح کرم کانڈی جیو بھی مزدور ہیں۔ کرم کے اُس کے پھل کو پراپت کر کے کچھ دنوں آرام سے رہتے ہیں اور پھر پیدا ہو کر کرم کے دھندے میں لگتے ہیں ایسے تم عارضی اور تھوڑے دنوں کی مُکتی کہہ لو مگر نہ یہ مُکتی ہے۔ اور نہ اس سے آواگون کا سلسلہ ختم ہونے پر آتا ہے۔

دیکھو ان تین ادھشٹاؤں کی سواری بھی تین طرح کی ہے۔ وشنو گرڑ پر سوار ہوتا ہے گرڑ بجلی کا نام ہے جو لطیف مقامات پر بلند پروازی کا تماشہ دکھاتا رہتا ہے اور اونچے ہی رہتا ہے۔ برہما کی سواری ہنس کی ہے جو مقام فضا اور انترکش یعنی درمیانی طبقات میں اُڑتا رہتا ہے۔ نہ اُوپر جاتا ہے نہ نیچے اور شیو کی سواری بیل کی جس پہ زمینی نظام کا دارومدار ہے اور وہ نیچے ہی رہتا ہے۔ اُوپر نہیں جاتا کیونکہ یہ تاماسی ہے۔

یہاں ایک رمز ہے۔ وشنو نے زہریلے سانپ کو پاؤں کے نیچے دبا رکھا ہے۔ شیو نے اُسے اپنے سر پہ جگہ دے رکھی ہے اور زہر کو لے کر گلے میں اٹکا رکھا ہے۔ برہما نے بھی زہر سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ کیونکہ اُن کی رچنا ہی دوند ز دوپنے کی اوستھا کہلاتی ہے۔ زہر سب میں ہے۔ اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین گن چاہے کوئی بھی ہو بدل نقص اور دھوکے سے خالی نہیں ہیں۔ گیان اور بھگتی بھی جو تموگنی اور ستوگنی ہیں دونوں ہی خوفناک ہیں۔ اصلیت کے شایق کو چاہیے کہ دونوں سے کام لے کر اُن کی چوٹی پر آ جائے۔ تب پرم پد کی پراپتی ہوگی ورنہ یہ سادھن بھی بے مصرف ہی رہیں گے۔ حالانکہ اُن سے یہ اُمید کمتر کی جاتی ہے۔ ہاں اگر زیادہ کسی کا خوف ہے تو رجوگن کا ہے جو برہما کا دھرم ہے۔ برہما کے جیتا دھتیک شیو یا وشنو کا سہارا نہ لیں گے کرم کے جال سے کبھی اُن کو چھٹکارا نہ ملے گا۔ یہ بنی بنائی بات ہے۔

شنٹ گوپ جی نے ان سب باتوں پر دھیان دیا۔ بھگتی ہمیر دا چلائی۔ رام کا شٹ بندھوایا۔ اُن کے وفات کے بعد اُن کی گدی پر ایک چنڈال قوم کا آدمی بیٹھا۔ تیسرا جانشین ایک مسلمان تھا جو یامن آچاریہ کہلایا۔ اصل میں اُس کا نام یون آچاریہ تھا۔ ان سب کے بعد

شری رامانج آچاریہ گورو ہوئے جو ذات کے برہمن تھے۔ انھوں نے ویشنو دھرم کو بہت بڑی تقویت دی۔ مگر نقص یہ ہوا کہ انھوں نے گو بلاتمیز قومیت کے ہر کس و ناکس کو دھرم کی دعوت دی مگر برہمنوں کو خصوصیت کے ساتھ آچاریہ پدوی کے قابل قرار دیا۔ یہ بھی کسی مصلحت وقت کی وجہ سے تھا ورنہ شاید اس سلسلہ کو عالمگیر ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ رامانج کی کئی پشتوں کے بعد رامانندجی ہوئے جو بنارس میں آکر مقیم ہوئے۔ ان میں تنگ نظری بہت تھی جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اور جس کی جڑ کبیر صاحب نے اپنی حکمت عملی سے چیلا بن کر اُکھیڑ دی۔ اُس وقت سے وشنوؤں نے ایک طرح پر رامانندجی کو اپنے دائرہ سے خارج کر دیا۔ اور رامانندی سمپرداالگ چلانے کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں اکثر بیراگی ہُوا کرتے ہیں۔

کبیر صاحب نے دیکھا کہ ابھی رامانندجی میں بہت کچھ کسر باقی ہے، قومیت کا نقص کلّی طور پر دُور نہیں ہوا، سوچ سمجھ کر نیچی سے نیچی ذات والوں کے ادھکاری تلاش کرلائے اور سب کو یکے بعد دیگرے رامانندجی کے ست سنگ میں شامل ہونے کا موقع بخشا۔ ان میں سے ہم صرف بعض بعض مشہور بھگتوں کا نام دیتے ہیں۔ ریداس چمار، سدن قصائی، پیپا راجپوت، گنگا طوایف، سینا نائی، دھنا جاٹ وغیرہ وغیرہ اور اس طرح رامانندجی کا طریق مُلک میں خوب پھیل گیا اور وسیع پیمانہ پر جاری ہو گیا۔

چیلے کا گورو کو چیتانا تعجب کی بات ہے مگر وقت کے سنت ستگور کی یہی تو خوبی ہے کہ ہر قسم کی نشٹھا کو زیرِ نظر رکھ کر تلقین کرے۔

مگر دیکھئے۔ کبیر صاحب کو اپنے گورو کے پاس ادب کا کس قدر لحاظ تھا۔ آپ ایک موقع پر اس طرح فرماتے ہیں:-

بھگتی دراوڑ اُوپجی لائے رامانند
پرگٹ کری کبیر نے سات دیپ نوکھنڈ

دوسری جگہ بابا کے انگ میں اس طرح گا اُٹھے تھے:-

کاشی میں کیرت سُن آئے۔ کہیں کبیر موہی کتھا بوجھائی

گورو رامانندجی کے چرن کنول پر تے دھوبن دینی وار

دوسرے ساکھی اور شبدوں میں بھی کہیں کہیں اُن کی آستی کے بچن آتے ہیں۔

رامانندجی کو کبیر صاحب نے مختلف طریقوں پر چیتایا ہے۔ ایک دن گنوار کے کن گت یعنی پترپکش کی کسی تتھی پر رامانندجی نے اپنے گورو کی شرادھ کرنے کی نیّت کی۔ شاگردوں کو دودھ لانے کے لیے بھیجا۔ کبیر صاحب کو جو دُور کی سُوجھی مُردہ گایوں کی ہڈیاں اکٹھا کر کے ہاتھ میں لوٹا لیے ہوئے آسن مار کر بیٹھ گئے۔ رامانندجی نے پوچھا "یہ کیا سانگ رچا ہے؟" انھوں نے نہایت سنجیدہ مگر مؤدبانہ لہجہ میں جواب دیا "بھگوان! آپ مُردوں کا شرادھ کرنے لگے ہیں۔ میں مُردہ گائے سے دودھ مانگ رہا ہوں۔" رامانندجی قہقہہ مار کر ہنسے سمجھ گئے کہ کبیر صاحب کا کیا مطلب ہے! اور اُس بھرم کو ترک کر دیا حقیقت میں غیر کو شرادھ اور ترپن کرنے کی کیا ضرورت ہے!

رامانندجی کبیر صاحب کے کمال کے قایل تھے۔ چاہتے بھی تھے کہ کبیر صاحب سے دوسری حیثیت میں فیض طلب کریں مگر یہ بات گورو اور شِشیہ کی نشٹھا کے برخلاف تھی۔ پاس ادب اور مروجہ رسمی طریقہ کا لحاظ رکھنا منظور تھا۔ وہ اور طرح پر اُن کو چیتاتے رہے۔ مگر اپنی شاگردی اور اُن کی گوروائی میں فرق نہیں آنے دیا۔

وقت کے سنت ستگور نے اس طرح رامانندجی کو سُدھارا۔

براہمنوں کی مخالفت

جب بنارس میں دھوم دھام کے ساتھ کمسن لڑکے نے اپنے خیالات کی اشاعت کا اہتمام کیا براہمنوں کو خوف پیدا ہُوا کہ کہیں ہندوؤں کے درمیان خلط فاسد کا مادّہ نہ شامل ہونے پائے۔ کبیر صاحب کو آکر سمجھایا "یہ ہمارا دھرم ہے۔ تُم مسلمانی دھرم پر رہو اور وِشنو، گوبند، رام اور مکند کے عوض اللہ، رب، خدا اور رحیم کریم کہا کرو۔" کبیر صاحب مُسکرائے اور اس طرح اُن کا شبد میں جواب دیا:-

(۱) جبھا وِشنو، نین نراین، ہردے بسے گوبندا

جم دوارے جب پوچھیں موسے تب میں کہوں گُندا
(۲) ہم گھر سُوت تنیں نت تانا کنٹھ جنیؤ تمھارے
تم نت باچت گیتا بھاگوت گوبند ہردے ہمارے
(۳) ہم ستگور تم گوال بال ہو جنم جنم رکھوارے
کبھوں نہ وارے پار چھڑائے کیسے کھسم تمھارے
(۴) تم باہمن میں کاشی کا جُولہا کیا پوچھو مور گیانا
تم نت کھوجت بھوپتی راجا ہری سنگ مورا دھیانا

ترجمہ یہ ہے:- میری زبان پر وشنو، آنکھوں میں ناراین اور دل میں گوبند لیتے ہیں۔ (تم مجھے کیا کہتے ہو۔ اگر جم کے دربار میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا تو اُس وقت بھی میں یہی کہوں گا کہ مُکند ہی میرا اِشٹ ہے۔ (۲) (ہماری اور تمھاری حیثیت کیا ہے) ہم تو گھر میں رہ کر سُوت کاتتے ہیں۔ اور تم اُسی کا بُنا ہُوا جنیؤ اپنے گلے میں ڈالتے ہو۔ تم تو روز بھاگوت اور گیتا کا پاٹ کرتے ہو مگر (سچا) گوبند میرے اندر ہے۔ (۳) (کیا تم اب بھی نہیں سمجھتے؟) ہم ستگور سروپ (اور وقت کے گورو) ہیں۔ تم ہمارے بال بچے ہو اور ہم جنم جنم سے (مختلف صورتوں میں) تمھاری رکھوالی کرتے ہیں۔ (افسوس! تم نے کس کا تصور باندھ رکھا ہے۔ جو (نہ تمھاری آنکھیں کھولتا ہے) نہ وارسے پار لے جاتا ہے تمھارا اِشٹ کیسا ہے! (۴) تم براہمن ہو ہم کاشی پوری کے جُولاہے ہیں۔ جُولاہے کے گیان کی بابت کیا سوال کرتے ہو۔ (سُنو) تم تو روز راجاؤں کے راجا کی تلاش کرتے رہتے ہو مگر میرا دھیان اُسی میں لگا ہُوا ہے۔"

براہمن لاجواب ہو کر چلے گئے مگر اپنی مخالفت سے باز نہیں آئے۔ مسلمانوں کو اُکسایا۔ اُنھیں سمجھایا کہ یہ لڑکا سخت فساد مچائے گا۔ ابھی کمسنی ہے۔ اِس عمر میں اس نے ایسا اُودھم مچا رکھا ہے۔ آگے کا حال ایشور جانے۔ اگر یہ روکا نہ گیا تو آیندہ سخت خرابی ہوگی۔

سُنت

کبیر صاحب کی عمر سات برس کی ہوئی۔ مُسلمانی مذہب کے موافق اُن کی سُنت یا ختنہ کرنا

ضروری تھا۔ مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ ماں باپ سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گئے آخر یہ صلاح ہوئی کہ اِس کو پکڑ کر زبردستی اس کی مسلمانی کی جائے۔ پکڑے گئے۔ مسلمانوں کے ساتھ کئی براہمن بھی تھے جو کبیر کو مسلمان کرانا چاہتے تھے۔ دھر پکڑ ہوئی۔ باندھ لیے گئے اُس وقت اور کچھ نہ بن پڑا۔ ہندو مسلمان اور براہمنوں سے مخاطب ہو کر وجد اور مستی کی حالت میں ایک شبد گا کر سُنایا:-

شبد

زور ظلم تم کرت ہو میں نہ بدوں (ہوؤں) گا بھائی
جو خدائے تو ہی ترک کرت ہے آپ کٹی کیوں نہ آئی
سُنت کرائے تُرک جو ہونا عورت کو کیا کہئے
اردھ سریری (اردھنگی) ناری (عورت) بکھانا تاسوں (اُس سے) ہندو رہئے
گھال (ڈال) جنیؤ باہمن ہوتا ناری کیا پہرایا
وہ تو جنم کی شُدری پروسے تم پانڈے کیوں کھایا
ہندو تُرک کی ایک راہ ہے ستگور بھید بتائی
کہیں کبیر سُنو بھائی سنتو رام نہ کہیو خدائی

ترجمہ یوں ہوگا:- تم تو اب سختی اور جبر پر اُتر آئے ہو میں اس کی سند نہیں مانتا۔ اگر خدا کو مسلمان ہی بنانا منظور تھا تو اُس نے خود کٹ ہُوا (آلۂ تناسل) کیوں نہیں پیدا کیا۔ (اس سے ہندو مسلمان کی بہ آسانی تمیز ہو جاتی) (۲) پھر اگر ختنہ ہی کر کے کسی کو مسلمان بنایا جاتا ہے تو پھر (نادانو!) عورتوں کا ختنہ کیوں نہیں کرتے۔ (اُس کی بھی کاٹ چھانٹ کر دیا کرو) عورت اردھنگنی کہلاتی ہے۔ (۳) (اُس) کا تو ختنہ نہیں ہوتا جو

مُردوں ہی کا ہوتا ہے، اس وجہ سے وہ ہندو ہے۔ تمہارا صرف آدھا ہی حصہ مسلمان ہوتا ہے۔ (۳) اسی طرح اے براہمنو! اگر کوئی شخص صرف جنیو پہننے ہی سے براہمن ہوتا ہے تو تم اپنی عورت کے گلے میں کیوں نہیں جنیو ڈالتے۔ وہ تو جنم کی شودرانی ہی رہی۔ وہ کھانا پروستی ہے اور پانڈے جی! تم اُس شودرانی کا پروسا ہُوا کھانا آخر کیوں کھاتے ہو! (۴) (دیکھو نہیں) کبیر کہتے ہیں۔ سنتو اُسن (دیکھو حقیقت کی نظر سے) ہندو اور مسلمانوں دونوں کی ایک ہی راہ ہے۔ یہ بھید مجھے ستگورو نے بتایا۔ کسی نے مالک کو رام کہا۔ کسی نے خدا کہا۔ (لفظوں ہی کا تو جھگڑا ہے)۔

صورت سے غیر معمولی جلال نمایاں تھا۔ آنکھیں غیظ و غضب کی وجہ سے سُرخ ہو گئی تھیں۔ اس عجیب و غریب بات کو سُن کر سب کے سب دنگ ہو گئے۔ آخر کبیر صاحب کو مسلمانوں نے چھوڑ دیا۔ سُنت کرنے کرانے والے اُلٹے پاؤں واپس گئے اور اُن کی مسلمانی نہیں ہونی تھی نہیں ہوئی اور پھر کسی نے بعد ازاں سُنت کے لئے باز پرس نہیں کی اور وقت کے سنت ستگور کو اُن کے خیال کے حوالہ کیا۔

رجوعات

دھوم مچ گئی۔ کاشی پوری کے ہندو مسلمانوں میں ہلڑ مچ گیا۔ شہر کے گلی کوچوں میں لوگ کہنے لگے۔ "ایک حقیر جولاہے کے گھر میں عجیب و غریب لڑکا پیدا ہوا ہے جو نہ ہندو ہے نہ مسلمان بلکہ دونوں ہی مذہبوں کے آدمیوں کو مالک کے ملنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اُس کی زبان پر سرسوتی بستی ہے۔ کسی کی پیش نہیں جاتی۔ جو کہتا ہے نرالی اور بے تکی! سب کی باتوں کو اپنی دلیل سے کاٹ دیتا ہے۔ بحث کرنے والے لاجواب ہو جاتے ہیں۔ یہ بلاشک کوئی اچنبھوی آتما ہے اور درشن کے قابل ہے۔" پھر تو لوگ غٹ کے غٹ اس لڑکے کے دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ مخالفت اور مزاحمت نے اشتہار کا کام دیا۔ جو آیا معتقد ہو کر گیا۔ صورت شکل پاکیزہ تھی۔ ایک تو اس کا اثر دوسرے خوش زبانی اور خوش بیانی کا جادو۔ یہ ہونے پر سوہاگہ کا کام دیتی تھی۔ بات زبان سے نکلی نہیں کہ اس کا اثر دل میں داخل ہوا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُپنشدوں کی بانی مجسم ہو کر کبیر صاحب کی زبان پر جگہ پا گئی

ہے۔ گفتگو سیدھی سادھی! زبان بچوں جیسی سہل اور دلکش! تقریر دل پسند اور موثر! یکتی مُدلّل۔ کوئی بات دلیل سے خالی نہیں اور لطف یہ کہ نہ کسی شاستر کا پرمان نہ کسی گرنتھ کی سند! جو کہتے تھے اپنی کہتے تھے۔ کسی کا خیال عاریتاً نہیں لیتے تھے۔ کبیر صاحب کے یہاں مانگ تانگ کا کوئی کام نہیں ہے اور نہ اُنھوں نے وید شاستر سے اپنی تعلیم اخذ کی ہے۔ جو اس طرح نہیں سمجھتے وہ نادانی کرتے ہیں۔ اگر "پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل" کا مسئلہ کسی پر صادق آسکتا ہے تو وہ صرف کبیر صاحب کی ہی ذات پاک کہی جا سکتی ہے۔ دُنیا میں یہ عجیب و غریب شخصیت ہوئی ہے جس کے کمال کو دیکھ کر انسانی عقل کو دنگ اور حیران ہونا پڑتا ہے۔ ویدانت کی بلند خیالی اور بلند پروازی! سانکھیہ یوگ کا بادلیل بیان! رُوحانیت کے رموز کی گرہ کشائی! علم عرفان کی بام حقیقت تک پہنچنے کی رسائی! سب کے سب اُن کے کلام میں مقید ہیں۔ سمجھانے اور باریک نکتوں کے ذہن نشین کرانے کی ترکیب نرالی! اُدھر زبان کھلتی ہے اِدھر دل میں بات کا مطلب خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔ زبان میں کئی رس ہیں۔ کہیں کسی کو دلیل سے سمجھاتے ہیں۔ کسی کی خیالی گتھی کی گرہ طعنہ آمیز کلموں سے سلجھاتے ہیں۔ کہیں ہنس کر مذاقیہ باتیں کہہ دیتے ہیں۔ کہیں بیر رس، شانت رس، کرونا رس سے مدد لیتے ہیں۔ آپ کا کلام ہے:- "کہیں کبیر چھوڑ رس۔ جہاں جس تہاں تس"!

اگر وقت کا سنت ستگور کوئی کہا جا سکتا ہے تو وہ کبیر صاحب ہیں۔ ان کو دیکھو ان کی زندگی اور ان کے کلام سے وقت کے سنت ستگور کی سمجھ حاصل کرو۔ فضول جھگڑوں میں پڑ کر ناحق کیوں اپنا اور دوسروں کا نقصان کرتے ہو ورنہ یاد رکھو سود کمانا تو درکنار رہا اصل پونجی بھی کھو بیٹھو گے۔

اُلٹا مارگ

پرچار کا سلسلہ زور شور کے ساتھ جاری رہا۔ جو آیا فیضیاب ہو گیا۔ کاشی میں اُتر واہنی (اُتر کی طرف بہنے والی) مقدس گنگا کی دھارا بہہ نکلی۔ جو سنان کرنے آیا شانت اور سیتل ہوتا گیا۔ اُتر نام ہے پیچھے کا۔ کبیر صاحب کا مارگ اصلی وطن کی طرف لوٹا کر لے جانے کا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے اُلٹا مارگ کہتے ہیں اور جس کو پیچھے پرمارتھ کی کمائی کرنی منظور ہوتی ہے وہ

اسی اُلٹے راستے کو اختیار کرتا ہے۔ اُلٹی چال چلتا ہے۔ مالک کا اُلٹا نام لیتا ہے۔

اُلٹا نام جپت جگ جانا   والمیک بھئے برہم سمانا

کس کو اُلٹے مارگ کی خبر ہے! سب سے پہلے اس اُلٹے طریق کی تعلیم کبیر صاحب ہی نے دی تھی اور اب پرم پُرش پُورن دھنی حضور مہاراج نے اُسے مکمل کر کے جیووں کو بخشا ہے۔

شبد

پرتھوی منڈل تیاگو سادھو! اُلٹ چلو اسمانا ہو!
اُلٹا مارگ رادھاسوامی مت کا کیوں سمجھے انجانا ہو
اُس کا بھید کوئی بھیدی پاوے جا کے لگے گورو کانا ہو
اُلٹی گنگا اُلٹی جمنا سرسوتی اُلٹ بہانا ہو
اُلٹی چال چلے کوئی سجن تب سنگت سندھ نہانا ہو
چیتن کو سودھے من پر بودھے نہیں کوئی کرم کرانا ہو
جگتی اُدیم سب بدھی اُتم گھٹ کی راہ لگانا ہو
تیاگ ویراگ کا سار جو سمجھے تاہی یہ گُر بتلانا ہو
سین بین جو نہیں کوئی بوجھے تا سے چُپ رہانا ہو
تل کو اُلٹ گگن کو بیدھے مارے تاک نشانا ہو
رادھاسوامی چرن شرن بلہاری اب پرکھا گورو گیانا ہو

کبیر صاحب کا مت اُلٹا مارگ ہے۔ وہ دُنیا کے کسی مت سے نہیں ملتا۔ اور نہ اس کی سمجھ ہر کس و ناکس کو حاصل ہوتی ہے۔

اس اُلٹے مارگ کی صراحت اگر اس جلد میں نہیں کی گئی تو وہ **رادھاسوامی جوگ**

میں کر دی جائے گی۔

بیوہار

جب ذرا اور سیانے ہوئے گھر کے کام کاج میں باپ کا ہاتھ بٹانے لگے۔ جولاہے کا کام سیکھا۔ تانا بانا تننے لگے۔ کپڑے کا تھان بنا کر گھر سے باہر لے جاتے جو قیمت ہوتی اُس سے زیادہ کبھی نہیں مانگتے تھے۔ ابتدا میں آدھی قیمت تو مائی نعمان کو دے دیا کرتے تھے اور آدھی فقیر اور محتاجوں کے کام آتی تھی۔ بعد ازاں آمدنی کا بیشتر حصّہ خیرات کر دیا جاتا تھا۔ اُن کی عملی مثال سے نورا اور نعمان دونوں حد درجہ کے ایماندار ہو گئے اور سواد حق و حلال کی روزی کے کسی کی دی ہوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص زبردستی دینا چاہتا تو یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ اگر کہیں کبیر سُن لے گا کہ گھر میں بغیر محنت کے کوئی چیز آئی ہے تو سخت ناراض ہوگا اور بُرا بھلا کہے گا۔

ایک دن کپڑے کا تھان لے کر بازار میں گئے۔ لوگوں نے قیمت پوچھی۔ آپ نے پانچ روپے بتائے۔ سب کہنے لگے تین روپے سے زیادہ اس کی قیمت نہیں ہے۔ اور کسی نے اُنھیں پانچ روپے نہیں دئے۔ وہ تین دن متواتر بازار کا چکر لگاتے رہے۔ تھان فروخت نہیں ہوا۔ چوتھے دن ایک دلال ملا۔ پوچھا کس دام پر تھان بیچو گے؟ اُنھوں نے کہا۔ پانچ روپے ہے مول نہ کم نہ زیادہ۔ اس نے پانچ روپے ان کے حوالہ کیا اور ان کے سامنے سات روپے دام بتا کر اُسے سات روپے میں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا۔ کبیر صاحب یہ تماشہ دیکھ کر ہنسے اور یہ ساکھی کہی:-

پانچ ٹکے کا دوپٹا۔ سات ٹکے کو جائے
سانچ کہوں تو مانے ناہیں جھوٹے جگ پتیائے

آج کل یہی حال پرمارتھ کا ہو رہا ہے۔ سچا سودا سچی جگہ سے کوئی نہیں لیتا۔ جو ڈینگ ہانکا کرتا ہے اُس کے چیلے چانٹے بہت ہو جاتے ہیں مگر جو سچی بات کہتا ہے اُس بے چارے کی کوئی بھی نہیں سُنتا۔

ناچے گا دے توڑے تان   تا کا دُنیا راکھے مان

سانچی بات کبیرا کہیں — سب کے من سے اُترے رہیں

دوسرے دن جب بازار میں گئے ایک سادھو ملا۔ کہنے لگا سردی زور کی پڑ رہی ہے۔ کپڑا اوڑھنے کو نہیں ہے۔ انھوں نے آدھا تھان پھاڑ دینا چاہا۔ اُس نے کہا آدھے سے کام نہیں نکلے گا۔ پورا دے دو۔ کبیر صاحب پورا تھان اُس کو دے کر گھر کو چلے۔ کہا آج کا سودا پورا ہو گیا۔ لیکن تھان نہ لانے پر مائی گھر میں گھسنے نہ دے گی یہ سوچ کر کسی طرف کو چل دیے۔ کسی نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا اور باتیں بھی سن لیں۔ کھانے پینے کا سامان کثرت سے ان کے گھر لے گیا۔ مائی کو لینے سے انکار تھا۔ اتنے میں کبیر صاحب آئے اور وہ سامان لے کر غریب اور محتاجوں کو تقسیم کر دیا۔

کسی چیز سے اور فیاضی فقیری کی شان کا خاصہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کبیر صاحب مغلیہ میں بھی بڑے اُدار چِت تھے تو ان کی تعریف کیا ہوئی! یہاں صرف اسی قدر جتانے کی ضرورت ہے کہ جو کچھ ان کے ہاتھ آتا تھا اور کپڑے کی جو قیمت بنتی تھی اُس کا زیادہ حصّہ محتاجوں کے کام آتا تھا۔

براہمنوں کا کٹرپن

براہمنوں نے ان کی یہ حالت دیکھی۔ پیچھے پڑ گئے۔ دان دکشنا کے لئے تنگ کرنے لگے۔ ایک دن کسی لالچی براہمن نے ان کو دھمکی بھی دی کہ اگر مجھے دان نہ دو گے تو شہر میں رہنا مشکل ہو گا۔ آپ نے جواب دیا۔

کیا میں گھر کا مُوکا بیوپاریو — مانش مار کیا دھن چوریو

کیا میں باٹ پرائی ماری — کیا میں تکی پرائی ناری

جب اُسے کچھ نہ ملا دھمکی دے کر چلا گیا اور دوسرے ہی دن ان کے ذلیل اور بے آبرو کرنے کے لئے تمام شہر میں مشہور کر دیا کہ پورن ماشی کے دن کبیر کے گھر پر بڑا بھنڈارہ ہو گا جس میں دُور دُور سے سادھو آئیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روز مقررہ پر ان کے دروازے کے سامنے بھیڑ لگ گئی۔ انھیں کیا خبر تھی مگر مالک نے خیر کی۔ معتقد اور شردھالو بھگتوں نے

بھنڈارہ کا تمام انتظام کر دیا اور یہ بدنامی سے بچ گئے۔

جا کو راکھے سائیاں۔ مار نہ سکے کوئے

بال نہ بانکا کر سکے۔ جو جگ بیری ہوئے

گورو بننا تو آسان کام ہے مگر چیلا بن کر گورو کو بھی راہ پر لگانا نہایت مشکل بات ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ کبیر صاحب ہی نے دُنیا میں ایسی زبردست مثال دکھائی ہے۔ ممکن ہے اور بھی کسی نے ایسا کیا ہو۔ مگر ہم کو ایسی اچھی مثال اور کوئی نہیں ملتی جس میں چیلا اصل میں تو گورو کا بھی گورو رہا ہو اور چیلے کی حیثیت میں رہ کر پاس مراتب کی نظر سے اس قسم کا فرض ادا کیا ہو۔ اوتار بھی چیلے تھے مگر جہاں تک ہم کو علم ہے اُن سے بھی نہیں ہو سکا۔ رامانند جی کو اُپدیش دینے کی دو ہی مثالیں کافی ہیں۔

جہاں گشت

صوفی، درویش اور فقیروں کے جتانے کے ڈھنگ کچھ اور ہی تھے۔ یہاں صرف اشارہ، کنایہ، لطیفہ اور سین بین سے کام لیا جاتا تھا۔ روایت ہے **جہاں گشت** نامی بغداد کا ایک صوفی سیاح کبیر صاحب کے کمالات کی شہرت سُن کر بنارس میں ملنے آیا آپ کو خبر ہو گئی۔ دوسرے دن حکم دیا کہ دروازہ پر سُوٴر باندھ دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ مکان کے حجرے میں بیٹھے ہوئے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ صوفی آیا۔ جب اُس کی نظر سُوٴر پر پڑی دل میں بے چین ہو گیا۔ مسلمان سُوٴر کے دیکھنے تک کو بُرا سمجھتے ہیں اور اسے حرام جانتے ہیں۔ غصہ اور نفرت کے جذبات کے زیر اثر آ کر اُس نے پیٹھ پھیری اور لوٹنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے آواز دی "جہاں گشت! تم تو میری ملاقات کے لئے دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔ پھر بغیر ملے ہوئے واپس کیوں چلے جاتے ہو؟" اُس نے نظر کی۔ کبیر صاحب کی مسکراتی ہوئی جمالی صورت کی زیارت ہوئی۔ آداب بجا لانے کے بعد بولا:۔ "حضور نے باہر حرام کو باندھ رکھا ہے"۔ کبیر صاحب نے قہقہہ مارا۔ "کیوں جہاں گشت! جسے تم حرام سمجھ رہے ہو وہ باہر باندھنے کی چیز ہے یا اندر رکھنے کی؟ بھائی! میں تو جس خیال میں تھا

اور جس شئے کو حرام سمجھتا ہوں اُسے باہر ہی نکال کر باندھ رکھتا ہوں تاکہ وہ پھر اندر نہ داخل ہونے پاوے۔ باہر ہی بندھا رہے۔ جو لوگ حرام کے خیال اور جذبہ کو اندر باندھ رکھتے ہیں وہ اور ہی مخلوق ہوں گے۔ میں ایسا نہیں کرتا۔" اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سمجھ گیا کہ کبیر صاحب بڑے بزرگ ہیں اور جھپٹ کر اُن کے قدموں پر آگرا۔ معذرت کی اور کبیر صاحب نے اُس کو پھر اور نصیحتیں کیں جن کا پتہ کبیر پنتھیوں کے نوشتہ جات میں نہیں ہے۔ جہاں گشت کئی دن تک اُن کا مہمان رہ کر صحبت کا لُطف اُٹھاتا رہا اور پھر جہاں سے آیا تھا اُسی طرف کو چلا گیا۔

میر تقی وغیرہ صوفیوں کو بھی کبیر صاحب نے بیطفے کہہ کر حقیقت کا بھید بتایا ہے جس کا اشارہ بیجک نامی کتاب میں موجود ہے۔ اُس میں بانی آتی ہے:-

رمینی

ڈھنیے کی بات کہوں دُرویا بادشاہ ہے کونے بھیا
کہاں کُوچ کہاں کرے مقاما کون سُرت (روح) کو کرو سلاما
میں تو ہے پُوچھوں مسلمانا لال زرد کا تانا بانا
قاضی کاج کرو تم کیسا گھر گھر ذبح کراؤ بھینسا
درد نہ جانے پیر کہاوے بیتا پڑھ پڑھ جگ سمجھاوے
کہہ کبیر یک سید (گمراہ) کہاوے آپ سریکھے (جیسے) جگ کو بُلاوے

ساکھی

دن بھر روزہ دھرت ہو۔ رات ہنتت (ذبح کرتے) ہو گائے
یہہ خون وہ بندگی۔ کیونکر خوشی خدائے

ویدانتیوں کو چتاونی

ویدانتیوں کو اذویت واد اور ایکتو واد کا گھمنڈ رہتا ہے۔ وہ یا تو ایکو برہمہ دُوتیو ناستی کی صدا سُناتے ہیں یا 'اہم برہمہ اسمی' کی ہانک لگایا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی ویدانتی سنیاسی نے کبیر صاحب کو دیکھا۔ مغرور تھا۔ گیان کے اہنکار میں بول، 'تھاؤ وحدت ہی سچائی کا سچا طریق ہے۔ دویت واد یعنی برہمہ کو دو سمجھنا بھُول بھرم ہے۔ تم جیو اور برہمہ کو دو سمجھتے ہو اور جیوؤں کو برہمہ کی اُپاسنا کی رغبت دیتے ہو۔ اس لئے تم کو بھرم ہے۔' آپ مسکرائے اور اُس وقت یہ ساکھی کہی:-

ایک کہوں تو ہے نہیں دُوجا کہوں تو گار (گالی)
جیسا ہے تیسا رہے کہیں کبیر وچار

"اے سنیاسی! تو ایک ایک کیا کرتا ہے۔ ذاتِ حقیقت ایک بھی نہیں ہے۔ جو اُسے ایک سمجھتے ہیں غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک ہی پیٹ سے انیک پیدا ہوتے ہیں۔ ہزار، لاکھ، نیل، پدم، سنکھ وغیرہ ساری گنتی کی پیدائش ایک ہی اکائی سے ہوتی ہے۔ اور جب ایک ہی میں انیک رہتے ہیں اور وحدت میں کثرت کا امکان ہے تو تیرا کہنا بالکل ہی غلط ثابت ہُوا۔ ایک اور دو نسبتی الفاظ ہیں۔ جب تک دو نہ ہوں تو کسی کو ایک کیسے کہے گا! اس لئے تو بھُول میں پڑا ہے۔ اگر تو ایک کہتا ہے تو صریحاً اپنی لاعلمی ظاہر کر رہا ہے اور وہ دو نہیں ہے۔ دو کہنا اُسے گالی دینا ہے کیونکہ جو حقیقت کو دو مانتے ہیں وہ اُسے ناقص، محدود اور غیر مکمل ٹھہراتے ہیں۔ محدودیت سخت نقص ہے۔ جب دو ہوں گے تو اُن میں سے کوئی بھی محیطِ کُل اور ہمہ گیر نہ ہوں گے۔ اس لئے ایک اور دو دونوں ہی بھرم ہیں۔ اور تو بھرم میں پڑا ہوا ہے۔ وہ تو جیسا ہے ویسا ہے۔ اس سے زیادہ کسی کو کہنے کی جرأت کب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں بغیر سوچے سمجھے نہیں کہہ رہا ہوں۔"

سنیاسی لاجواب ہو گیا۔ اور بات بھی سچی تھی۔ اسی طرح برہمہ وادیوں کو برہمہ کا دھوکا

ہے۔ جہاں برہمہ ہوگا وہاں مایا کیسے نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ سب برہمہ ہی برہمہ ہے تو بغیر مایا کی ہستی تسلیم کئے ہوئے کسی کو برہمہ کے جاننے، پہچاننے اور سوچنے، سمجھنے کی تمیز کیسے آئے گی برہمہ نام ہے پھیلے ہوئے محیطِ کُل تتّو کا۔ پھیلنا اور محیطِ کُل ہونا صفت ہے۔ صفت ہی کا نام مایا ہے۔ مایا ہی کو گُن کہتے ہیں۔ پھر اس سے تو صاف ثابت ہے کہ برہمہ وادی اتک دَرپردہ مایا ہی کے لپیٹ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی تک وہ صفات کے طبقات سے اونچے نہیں چڑھے۔ ذات کے علم سے اُنھیں بے خبری ہے۔

توحید

توحید کی ڈینگ مارتے رہنا خود توحید کی بطلان اور تردید ہے۔ اس زبانی توحید کے رد کے لئے کسی کو اور دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ایک ہی ہے تب ایک دوسرے کا بیوہار کیسے ہوتا ہے۔ بغیر دو کی ہستی تسلیم کئے ہوئے کوئی کیا کسی کو سکھائے گا، کیا بتائے گا! کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ موحد اور توحید پرست اپنے اُصول سے خود گرے ہوتے ہیں؟ توحید نام ہے ادویت واد کا۔ یہ ادویت وادی ناحق گلا پھاڑ پھاڑ کر ادویت ادویت چلاتے رہتے ہیں اور شاستر ارتھ کے لئے اوروں کو مجبور کرتے ہیں۔ انھیں تو خود اپنے اُصول سے بے خبری ہے اور پھر یہ حقیقت تک رسائی کیسے پیدا کریں گے!

پنڈتوں کو چتاونیاں

ویدانتیوں کو کبیر صاحب اس طرح سمجھایا کرتے تھے۔ اور انصاف پسند طبیعتیں بطور خود سمجھ سکتی ہیں کہ آیا اُن کے سمجھانے بجھانے کا طریقہ موثر تھا یا نہیں؟ اور آیا وہ سچی سچی، صاف صاف اور کھری کھری باتیں کہتے تھے یا نہیں؟

پنڈت اور براہمنوں کو وہ طعنہ دے کر سمجھاتے اور اپنی شاگردی کی دعوت دیتے تھے کیونکہ اس کے سوا وہ ماننے والے نہیں تھے۔ مغرور آدمی کسی کی نہیں سُنتا۔ اور جس میں علم اور گیان کا گھمنڈ ہوتا ہے وہ تو دوسروں کو جب دیکھے گا نفرت ہی کی نظر دیکھے گا۔ اس جہ

سے سوائے طعنہ دے کر جتانے کے اور کوئی بہتر تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اور طرح پر وہ سمجھنے کے لئے تیار کب ہوتے ہیں! مگر واہ ری طعنہ زنی کی عادت! کہنے کو تو سب کچھ بُرا بھلا کہہ جاتے تھے مگر کوئی بُرا نہ مانتا تھا کیونکہ کبیر صاحب کے دِل میں بُرائی نہیں تھی۔ وہ وقت کے سنت شنگور تھے۔ مقتضا، اور مصلحتِ وقت کو سمجھتے تھے۔ اور اس طعنہ کے پردہ میں سچی ہمدردی چھپی رہتی تھی۔ بسا اوقات آدمی اُن کی باتوں کو سُن کر ہنس دیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ کہنے والے کی بات دِل پر اثر کرنے سے خالی تو رہنے پائے! یہ کمال صرف کبیر صاحب ہی کی ذات پاک میں نظر آتا ہے۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ مت متانتر کے جھگڑوں میں پڑ کر جب کسی کے اُصول کا کھنڈن کرتے ہیں تو دشمنی کی آگ بھڑک جاتی ہے اور مرنے مارنے کی نوبت آجاتی ہے۔ کبیر صاحب کی زندگی میں ایک بھی ایسے واقعہ کا ظہور نہیں ہوا جس میں مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں کہیں بھی لڑائی جھگڑے کی نوبت آئی ہو۔ اُس کا سبب صاف ظاہر ہے کہ وہ ہمدردِ خلائق تھے۔ اُن کی نیت دلآزاری کی نہیں رہتی تھی۔ وہ صرف جتانے کے لئے شبد اور ساکھی کہا کرتے تھے اور دوست دشمن دونوں اُپدیش سُن کر جیت جاتے تھے اور خوش رہتے تھے۔ کبیر صاحب طعنہ زنی کے موقع پر سخت زبانی سے بھی بہت کام لیتے تھے مگر سب ہنستے رہتے تھے اور اُن کے معتقد ہو جاتے تھے۔

ایک مثال تو اُوپر دی جا چکی ہے۔ جس میں سُنّت کے موقع پر اُنھوں نے براہمنوں کو طعنہ دیا تھا کہ "تم تو جنیو پہن کر براہمن بنتے ہو مگر تمھارے گھروں کی عورتوں کے گلے میں کہاں جنیو ہے۔ وہ جنم کی شُدر انی ہیں اور دوجنمی نہیں ہیں۔ اُن کے ہاتھ کا پروسا ہوا کھانا کھا کر تم بھی شُودر کے شُودر ہو جاتے ہو۔" دوسرے موقع پر آپ نے براہمنو کی ہٹ اور ضد کو دیکھ کر یہ نہایت ہی سخت کلامی سے بھرا ہوا شبد سُنایا تھا۔

شبد

پانڈے بُوجھن قصائی
سادھو! پانڈے نِپُن قصائی

بکری مار بھینس کو دھاوے دل میں درد نہ آئی
کر اسنان تلک دے بیٹھے بدھی سے دیوی پجائی
آتم مار پلک میں بنسے رُدھر (خون) کی ندی بہائی
اتی پُونیت اُونچے کُل کہئے سبھا ماںہہ (میں) ادھکائی (عزت)
ان سے گورو دِکشا سب مانگیں ہنس آوے موہی بھائی
پاپ کٹن کو کتھا سُناویں کرم کراویں نیچا
ہم تو دو او (دیکھو) پرسپر دیکھا باندھے اُن کو جم جگ بیچا
گائے بدھے سو ترک کہاوے یہ کیا ان سے چھوٹے
کہیں کبیر سُنو بھائی سادھو! کلی میں براہمن کھوٹے

ساکھی (دوہا)

پنڈت اور مشعلچی دونو سُوجھیں ناںہہ
اَورن (دوسروں) کو کریں چاندنا آپ اندھیرے ماںہہ
کبیر پنڈت کی کتھا جیوں تیتر کا گیان
اَورن سگن بتاوئی اپنا پھند نہ جان
کبیر براہمن کی کتھا سو چورن کی ناو (کشتی)
سب اندھے بل بیٹھیا جہاں بھاوے (چاہو) لیجاو

سخت زبانی کی حد ہو گئی۔ اس سے سخت کلام کس روحانی معلم نے آج تک کہے ہیں

مگر کیا کسی کو بُرا لگتا ہے! کبھی نہیں۔ سچی سچی اور صاف صاف کڑوی باتیں پیارے اور میٹھے لہجے میں سناتے ہیں اور اس طرح دردمند باپ کی طرح اپنے پیارے بیٹوں کو نصیحت سُناتے ہیں۔

براہمنوں پر کبیر صاحب کی بڑی مہربانی تھی۔ خود اُن کی مشہور اور مستند کتاب بیجک میں براہمنوں کی چتاونی کی غرض سے ایک بڑی نظم بپرمتیسی شامل کی گئی ہے جو ہمارے خیال کو بدیہی ثبوت ہے۔

براہمنوں کی مخالفت

مگر براہمنوں نے بھی کبیر صاحب سے اس سخت کلامی کا خوب بدلہ لیا۔ کاشی جی میں ہولی کے دنوں میں ہر سال کبیر صاحب کا سانگ نکالنے لگے۔ کسی کو ہولی کا بھنڈوا بنا لیا اور وہ پھکڑ اور گالی گلوج کے دوہے بولتا ہوا اور ہر دوہے میں کبیر صاحب کا نام شامل کرتا ہوا گلی کوچوں سے نکلا اور جس کو جی چاہا ماں بہن کی گالیاں دینی شروع کیں۔ کوئی اُس سے باز پُرس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بھلے مانس! تو ایسی فحش اور مکروہ گالیاں کیوں دیتا ہے! کیونکہ ہولی کے بھنڈوے کی گالی معاف ہوتی ہے۔ اُس کے جو جی میں آئے بکا کرے۔ کوئی اُس کی طرف کان بھی نہیں دیتا تھا۔ اس عمل سے براہمنوں نے اپنی دانست میں کبیر صاحب کو ہولی کا بھنڈوا بنایا۔ مطلب تو یہ تھا کہ کسی طرح کبیر صاحب اپنی سخت کلامی سے باز رہیں مگر یہ کب کسی کی سُننے والے تھے۔ نہ یہ اپنی حرکت سے باز آئے اور نہ اُنھوں نے ہولی کے بھنڈوے کے سانگ کو بند کیا۔ پورب میں ہر جگہ یہ رسم اب تک جاری ہے۔ بھنڈوے کبیر گایا کرتے ہیں اور سب کو بے نقط سُناتے پھرتے ہیں۔ لیکن اب کسی کو اس بات کا پتہ بھی نہیں ہے کہ اس رسم کی ابتدا محض کبیر صاحب کے ترمانے اور چھپانے کے لئے کی گئی تھی۔ ان بھنڈوؤں کے دوہے کبیر صاحب کی ساکھیوں کے وزن کے ہوتے ہیں اور سب میں کبیر شبد بلا رہتا ہے۔ اس فحش گیت کا نام ہی کبیر رکھ لیا گیا ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ اُس کی ایک آدھ مثال یہاں دے دی جائے مگر وہ اس قدر مکروہ اور فحش ہوتے ہیں کہ یہاں اُن کو داخل کرنا بدتہذیبی

سمجھی جائے گی تاہم وہ اِس طرح گاتے ہیں:-

سنتو سُن لو مور کبیر

جھرا را را را کبیر

کبیرؔ! ہم تو آئے تمھرے گھر میں آئے ہم تمھرے مہمان

ہائے بہن سے اپنے کہہ دو کریں ہمارا مان (الخ)

لیکن کبیر صاحب کو کیا پڑی تھی کہ اُن سے اُلجھتے۔ یہ بدنام ہوتے رہے مگر پرمارتھ کے کام کو کبھی ترک نہیں کیا اور براہمنوں کی مخالفت کام نہیں آئی۔ تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا اور وہ اب تک جاری ہے اور ستگور آشیرباد دیں کہ وہ ہمیشہ جاری رہے!

معمولی آدمیوں کو چِتانا

معمولی ذات کے آدمیوں کو وہ گیان کی باتیں نہیں سُناتے تھے۔ ان غریبوں کو اُس کی ہوا تک نہیں لگتی تھی اور اگر وہ کہتے بھی تو یہ سمجھتے کس طرح! اُن کے سمجھانے کی ترکیب اور ہی تھی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کمالی کبیر صاحب کی منہ بولی بیٹی کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی ایک براہمن آیا۔ جیٹھ مہینہ کا دِن! گرمی سے مارا ہُوا! پیاس کی شدت سے اُس کی زبان باہر نکلی پڑتی تھی۔ وہ اپنے آپے میں نہیں تھا۔ کسی طرح گرتے پڑتے وہاں پہنچا۔ غریب اچھی طرح بول نہیں سکتا تھا۔ ہاتھ سے اِشارہ کیا۔ کمالی نے اُسے اپنے گھڑے سے رُک رُک کر پانی پلایا۔ کمالی سے پوچھا۔ "تیری ذات کیا ہے۔" اس نے جواب دیا "میرا باپ مسلمان جولاہا ہے"۔ یہ رونے لگا "ہائے! میں دھرم سے پتِت ہوگیا۔ برہمن جاتی سے ناحق خارج ہُوا۔ اب میں براہمنوں میں نہیں مِل سکتا ہوں۔ مرجاتا تو اچھا ہوتا۔ تو نے مجھے ناحق اپنے گھڑے کا پانی پلایا اگر پہلے ہی بتا دی ہوتی تو چاہے میں مرجاتا مگر پانی کبھی نہیں پیتا۔" کمالی دل میں پشیمان ہوئی۔ اُس نے تو اپنی دانست میں اُس کی جان بچائی تھی مگر یہاں خود اُس کی جان پر آبنی۔ اُس زمانے میں ذات پانت کی پابندی نہایت سختی کے ساتھ کی جاتی تھی اور جو اُونچی ذات کا

آدمی نادانستہ بھی کوئی کام ایسا کر گذرتا تھا جو ذات پانت کے قاعدوں کے برخلاف ہوتا تھا اور چاہے کسی کو اُس کا علم ہوتا یا نہ ہوتا مگر پھر وہ خود ہی اپنے آپ کو اپنی قومیت کے دائرہ سے علیحدہ کر لیتا تھا تاکہ اوروں کے بھی سنسکار بھرشٹ نہ ہوں۔ آج کل کی طرح مکاری، ریاکاری اور دھوکا بازی نہیں تھی۔ اسی طرح کوئی نیچی ذات کا آدمی جان بُوجھ کر کسی اُونچی ذات کو دھوکا نہیں دیتا تھا۔ کمالی نے دل میں غور کیا۔ براہمن سے بولی "مجھے ذات پانت اور دھرم ادھرم کا گیان نہیں ہے۔ میرے باپ بڑے سمجھدار آدمی ہیں۔ اُن کے پاس چلو وہ شاید تمھیں کچھ بتا سکیں"۔ براہمن کمالی کے ساتھ کبیر صاحب کے پاس آیا۔ کمالی نے سارا حال کہہ سُنایا۔ کبیر صاحب ہنسے۔ اُس وقت یہ شبد گا کر اُسے سُنایا:-

شبد

پنڈت بُوجھ پیو تُم پانی

جا ماٹی کے گھر میں بیٹھے تا میں سرشٹی سمانی

چھپّن کوٹی جادو جہاں بنسے مُنی جن سہس اٹھاسی

پر گَ پر گَ پیغمبر گاڈے تے سب ری مائی ماسی

مچھ کچھ گھریار بیانے رُدھِر نیر جل بھریا

ندیا نیر نرک بہی آوے پشو مانس سب سریا

ہاڈ جھری جھر گُود گَلی گَل دودھ کہاں تے آوے

سو تم پانڈے جیون بیٹھے مِٹیا ہی چھوت لگاوے

وید کُتیب چھوڑ دو پانڈے اِی سب مَن کے کرما

کہیں کبیر سُنو ہو پانڈے اِی سب تمھرے دھرما

"پنڈت! اسمجھ بوجھ کر پانی پینا۔ جس مٹی کے گھر میں تم بیٹھے ہو (وہ، خواہ تمھارا مکان ہو یا جسم ہو) اُس میں تمام غلاظت بھری پڑی ہے۔ بید (وید) کُل کے چھپن کروڑ کتری (کھتری؟) اور اٹھاسی ہزار رشی منی اُسی میں مر کر کھپ گئے۔ قدم قدم پر اسی مٹی میں پیغمبر دفن ہوئے ہیں۔ وہ بھی سڑ کر مٹی ہی میں مل رہے ہیں۔ مچھلی، کچھوے، گھڑیال سب ہی اُسی میں پیدا ہوئے اور یہ جل جو تم پیتے ہو اُن کے خون اور کثافت سے بھرا ہوا ہے۔ پھر یہ تم جانتے ہو کہ ندی میں سب کا پیشاب پاخانہ بہہ کر آتا ہے اور انسان حیوان سب اُس میں پڑ کر سڑتے گلتے رہتے ہیں۔ یہ دودھ (جسے تم پاک سمجھتے ہو آخر) کہاں سے آتا ہے؟ ہڈی جھڑ جھڑ کر اور گوشت گل گل کر یہ دودھ بنتا ہے۔ اُسے تم نت نت پی جاتے ہو اور مٹی کے ٹکڑے کو بھبوت لگاتے ہو۔ چھوڑو وید قرآن اور ہندو مسلمان کے جھگڑے کو۔ یہ سب من کے کرم ہیں۔ من ہی سے ایک شخص نے اپنے آپ کو ہندو مان لیا ہے۔ دوسرے نے من سے اپنے کو مسلمان سمجھ رکھا ہے۔ یہی تمھارا بھی حال ہے۔ تمھارا چھوت چھات کا ماننا بھی من ہی کے بھرم کا پھل ہے۔ (تم کس بکھیڑے میں ناحق پڑے ہو۔)

براہمن کو سمجھ آ گئی۔ کبیر صاحب کی جادو بیانی اپنے اثر سے خالی رہنے والی کب ہوتی ہے اور بالخصوص جب خاص موقع کی نظر سے کلام کہا گیا ہو گا تو اُسے تو دل پر چوٹ لگانا ہی مقصود تھا۔ پنڈت سے کچھ جواب نہ بن آیا۔ اُن کا مرید ہو گیا اور کہتے ہیں کبیر صاحب نے اُسی کے ساتھ کمالی کی شادی کر دی۔ کمالی کی اولاد کبیر بنس کہلاتی ہے۔ مگر ہم نے اس بنس کا کوئی آدمی اب تک نہیں دیکھا۔

ہمدردی

بہت سے ایسے آدمی بھی تھے جن کو کبیر [illegible] نہیں چتایا۔ صرف حسن سلوک اور دلی ہمدردی سے اپنا بنا لیا تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت کوئی چور کسی کے گھر نقب لگا رہا تھا۔ پولیس والے پہنچ گئے۔ یہ بھاگا۔ آگے آگے یہ پیچھے پیچھے وہ۔ جب کہیں چھپنے کی جگہ نہیں دیکھی

کبیر صاحب کے گھر میں جا چھپا۔ وہ جاگ رہے تھے۔ پوچھا کون ہے؟ چور نے کہا میں چور ہوں۔ میری جان بچائیے۔ پولیس والے پیچھے پکڑنے کے لئے آ رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ جھٹ پٹ میری لڑکی کے کھاٹ پر سو جا۔ وہ سو رہی ہے۔ چادر تان کے خرّاٹے لینے لگ جا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ چوکیدار آئے۔ چور کی نسبت دریافت کیا۔ انھوں نے کہا تم خود تلاش کر لو۔ چراغ جل رہا تھا۔ دو ہی کھاٹیں تھیں۔ ایک پر کبیر صاحب اور دوسری پر کمالی سوتی تھی۔ انھوں نے خوب دیکھ بھال کی۔ چور کو سمجھا کہ یہ کبیر صاحب کا داماد ہو گا تب تو لڑکی کی کھاٹ پر سو رہا ہے۔ یہ چور نہیں ہو سکتا۔ وہ کہیں اور جگہ جا کر چھپا ہو گا۔ یہ سوچ کر کبیر صاحب سے معذرت کی اور چلے گئے۔ چور اُٹھا قدموں پر گرا۔ بھگون اب چرنوں لگا کر دور نہ کیجئے۔ آپ نے میرے پران بچائے ہیں اور میں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ کبیر صاحب نے اُسے چھاتی سے لگا لیا۔ وہ اُن کا چیلا ہو گیا اور برہم چاری سادھو کی حیثیت سے تمام عمر اُن کے ساتھ گذار دی۔ چتانے کا ایک ڈھنگ یہ بھی تھا۔

لوئی

جس طرح لوئی مائی کبیر کے گھر آئی تھی اُس کے چتانے کی تدبیر بھی خوب تھی۔ اُس کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے:-

تیس برس کی عمر تھی۔ ایک دن جنگل میں گذر ہوا جو گنگا کے کنارے واقع تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ سخت تیز تھی۔ ٹھہرنے کی کوئی اچھی جگہ نہیں ملی۔ ایک بیراگی کا جھونپڑا نظر آیا۔ اس طرف راہی ہوئے۔ جب جھونپڑے کے قریب آئے آرام کے خیال سے وہاں بیٹھ گئے۔ بیراگی نہیں تھا۔ ایک بیس برس کی لڑکی باہر نکلی پوچھنے لگی۔

آپ کون ہو!

کبیر۔

ذات کیا ہے؟

کبیر۔

بھیکھ کیا ہے؟
کبیر۔
نام کیا ہے؟
کبیر۔

لڑکی کہنے لگی تعجب کی بات ہے۔ یہاں اکثر سادھو فقیر آیا کرتے ہیں۔ میں نے اس قسم کا نام، ذات اور بھیکھ کسی کا نہیں سُنا۔

کبیر صاحب نے کہا سچ ہے۔ ہم اِن سے نیارے ہیں۔ سب کا نام ذات بھیکھ ہے۔ کبیر کا نہیں ہے۔

وہ غریب سادہ لوح عورت اِن کی بُھول بُھلیاں سے اور بھی متحیر ہوئی۔ اتنے میں وہاں دھوپ کے ستائے ہوئے اور بھی کئی سادھو آگئے۔ وہ تعداد میں چھ تھے۔ لڑکی سب کے پینے کے لئے علیحدہ علیحدہ سات مٹی کے پیالوں میں تازہ دُودھ لے آئی اور تو سب نے پی لیا کبیر صاحب نے اپنا پیالہ زمین پر رکھ دیا۔ سادھوؤں نے پوچھا! آپ کیوں نہیں پیتے؟ یہ کہنے لگے۔ ایک سادھو اور آرہا ہے۔ یہ اُس کے لئے ہے۔ لڑکی بولی سوامی! آپ اپنا حصّہ پیجئے۔ دُودھ اور موجود ہے۔ اُس سادھو کو بھینٹ کیا جائے گا یہ بولے۔ میں شبد اہاری ہوں۔ لوئی نے کہا۔ مہاراج! شبد کیسا؟ انھوں نے جواب دیا۔

شبد ہمارا ہم شبد کے شبد برہم کا روپ
جو چاہے دیدار کو پرکھ شبد کا روپ

وہ سُن کر حیران سی رہ گئی۔ اتنے میں گنگا پار کر کے وہ سادھو بھی جس کی خبر کبیر صاحب نے دی تھی آپہونچا۔ کبیر صاحب نے وہ پیالہ اُس کے سپرد کیا وہ پی گیا۔

اس آخری سادھو نے لڑکی سے پوچھا۔ تو کون ہے۔ تیرا نام کیا ہے۔ تیرے ماں باپ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور وہ مہاتما جو یہاں رہا کرتے تھے کیا ہوئے؟

لڑکی بولی۔ سُنئے مہاراج! میں نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟ کہاں کس سے اور کیونکر پیدا ہوئی؟ اس جھونپڑے میں ایک بن کھنڈی بیراگی رہتے تھے۔ اُن سے اکثر

آنے جانے والے میرا حال پوچھا کرتے تھے۔ جو کچھ وہ اُن کو کہا کرتے تھے وہ میں آپ کو بھی سُناتی ہوں۔ بابا جی مہاراج کی زبانی ہے۔ وہ ایک دن دریا کے کنارے نہانے گئے تھے۔ گنگا کی دھارا میں کالے کپڑے سے لپٹی ہوئی کوئی چیز بہی آتی تھی۔ انھوں نے اُس کو پکڑ لیا۔ جب کپڑے کو کھولا تو مجھ کو پایا۔ وہ مجھ کو اُٹھا لائے اور دُودھ پلا پلا کر پرورش کی چونکہ مجھ کو انھوں نے کالی لوئی میں بندھی ہوئی پایا تھا اس لئے میرا نام لوئی رکھا اور اسی نام سے وہ زندگی بھر مجھ کو پکارتے رہے۔ اب اُن کا دیہانت ہوگیا ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا۔ کسی نہ کسی دن کوئی مہاتما آجائیں گے۔ وہ تیرا اُدّھار کر دیں گے۔ اس لئے میں اب جو سادھو آتے ہیں اُن کی ٹہل سیوا کیا کرتی ہوں۔ یہ میری مختصر کہانی ہے۔

اس کے بعد لڑکی کی توجہ کبیر صاحب کی طرف گئی پوچھا "سوامی جی! مجھ کو کچھ اُپدیش کیجئے"۔ یہ بولے۔ سادھوؤں کی خدمت، ست نام کا جاپ، گورو کا ست سنگ، یہ تیرے لئے اُپدیش ہیں۔ اے لوئی! سادھو کی سیوا کا بہت بڑا پھل ہوتا ہے۔

سادھ ہماری آتما ہم سادھن کے جیو
سادھن میں ہم یوں رہیں جیوں پے مدھے گھیو
جیوں پے مدھے گھیو ہے تیوں رمیا سب ٹھو
کتھنا بکتا بہت ہیں منتھ کاڑھیں تے اور

لوئی کی آنکھیں کھل گئیں۔ اُتم اُدھکاری تھی۔ جھونپڑا معہ تمام ساز و سامان کے سادھوؤں کے بھینٹ کر دیا اور آپ کبیر صاحب کے ساتھ کاشی میں چلی آئی اور وہاں اُن کے گھر میں رہ کر سادھوؤں کی ٹہل سیوا کیا کرتی تھی اور کبیر صاحب کا پیشہ سیکھ کر جولاہنی کی طرح کپڑے بُنتی تھی۔

نعمان نے شروع شروع میں سمجھا کہ لڑکا دُلہن لے آیا ہے۔ مگر بعد کو یہ خیال غلط نکلا کیونکہ وہ کبیر صاحب کو سوامی جی کہا کرتی تھی اور بزرگ گورو کی طرح اُن کی تعظیم کیا کرتی تھی۔

روایتوں سے کہیں پتہ نہیں لگتا کہ کبیر صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ وہ دُنیا میں آزاد مطلق کی صورت میں تھے اور تعلق اور بے تعلقی دونوں سے علیحدہ رہ کر جیوؤں کو چیتاتے رہے۔

اسی طرح کمال اور کمالی بھی صرف اُن کی رُوحانی اولاد تھے۔ اُن سے جگت بیوہار کے موافق پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ بات اس وجہ سے نہیں کہی جاتی ہے کہ اس سے کسی قسم کی بڑائی جتانی مقصود ہے بلکہ یہ حقیقت ہے اور ہم نے کہیں بھی کوئی بات کبیر صاحب کے صاحبِ اولاد ہونے کی نسبت نہیں مطالعہ کی۔

وشنوؤں کی چتاونی

ایک موقع پر کئی وشنو سادھو جمع تھے۔ بھکتی بھاؤ کے چرچا کے سلسلہ میں اوتاروں کی مہما کا گیت گا رہے تھے۔ کبیر صاحب بھی وہاں پہنچے۔ وشنوؤں نے انہیں بھی کہا رام کی بھکتی کرو۔ یہ ہنسنے لگے۔ ایک نے پوچھا آپ ہنستے کیوں ہو؟ کیا ہم سچ نہیں کہہ رہے ہیں؟ کبیر صاحب نے جواب دیا۔ تم ایسی بات کہہ رہے ہو جس کی تم کو خود سمجھ نہیں ہے نادانوں کی باتوں پر اگر کسی دانا آدمی کو ہنسی آجائے تو تعجب کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا یہ کیسے؟ کبیر صاحب بولے۔ سُنو:-

ساکھی
جگ میں چاروں رام ہیں تین رام بیوہار
چوتھا نام نج سار ہے تاکا کرو بچار

چوپائی

ایک رام دشرتھ گھر ڈولے ایک رام گھٹ گھٹ میں بولے
ایک رام کا سکل پسارا ایک رام ترگن سے نیارا
کون رام دشرتھ گھر ڈولے کون رام گھٹ گھٹ میں بولے
کون رام کا سکل پسارا کون رام ترگن سے نیارا

تم میرے سوال کا جواب دو۔ تب میں جانوں کہ تم سمجھدار ہو اور سمجھ بوجھ کر بھکتی کرتے ہو۔ وہ لاجواب ہوئے۔ اُن سے کوئی جواب نہیں بن آیا، کہنے لگے "آپ ہی اس بھید کو بتائیے۔ تب کبیر صاحب نے اپنی زبان کھولی۔ سُنو:-

چوپائی

اکار رام دشرتھ گھر ڈولے نرا کار گھٹ گھٹ میں بولے
بند رام کا سکل پسارا نرالمب سب ہی سے نیارا

ساکھی
رام کرشن اوتار ہیں ان کی ناہیں مانڈ (ماں)
جن صاحب نے جگ رچا تاہی نہ جنمی رانڈ (عورت)
کبیر سیوے تاسُو کو دُوجا سیوے نانہہ
رہے نرالا مانڈ تے (جگت سے) سکل مانڈ (جگت) تبہی مانہہ

وشنو سادھو اس کلام کو سُن کر دنگ رہ گئے اور چونکہ اُن کو زیادہ جاننے کی خواہش ہوئی کبیر صاحب نے ایک لمبا شبد سُنایا جو بیجک میں اس طرح آیا ہے:-

آوے جائے سو مایا سنتو آوے جائے سو مایا
ہے پرتی پال کال نہیں واکو نہیں کہیں گیا نہ آیا
کیا مقصود کچھ مچھ ہونا سنکھا سُر نہ سنگھارا
ہے دیال دروہ نہیں واکے کہو کون کو مارا
وے کرتا نہ وراہ کہاویں دھرتی دھرے نہیں بھارا
یہہ سب کام صاحب کے ناہیں جھوٹ کہے سنسارا
کھنبھ پھاری جو باہر ہوئی تاہی بیچ سب کوئی
ہرناکش نکھ اُدر بدارے سو نہیں کرتا ہوئی

بامن رُوپ نہ بلی کو جانچے جو جانچے سو مایا
بنا بویک سکل جگ جھندے مایا جگ بھرمایا
پرشو رام کشتری نہیں مارا اِی چھل مایا کینھا
ستگورو بھگتی بھید نہیں جانے جیو اَمنچیا دینھا
بیرحن ہار نہ بیا ہی سیتا جل پکھان نہیں بندھا
وے رگھوناتھ ایک کے سُمرے جو سُمرے سو اندھا
گوپی گوال گوکل نہیں آئے کرتے کنس نہ مارا
ہے مہربان سبن کو صاحب نہیں جیتا نہیں ہارا
وے کرتا نہیں بودھ کہاویں نہیں اسُر کو مارا
گیان[2] ہین کرتا کے بھرمے مایا جگ سنگھارا
وے کرتا نہیں بھئے کلنکی نہیں کلنگ ہی مارا
ای چھل بل سب مایا کینھا جتن سبن سب تارا
دس اوتار ایشوری مایا کرتا کرکے جن پوجا
کہے کبیر سُنو ہو سنتو ۔ اُپجے کھپے سو دوجا

سادُھو اس پُراثر بانی کو سُن کر متاثر ہو گئے بلکہ سوال کیا۔ بھگون! آپ نے چار رام بتائے اور اوتار رام کا کھنڈن کر دیا۔ اُس چوتھے رام کی اُپاسنا کیسے کی جاتی ہے؟ کبیر بولے

[1] جل پر پُل نہیں باندھا [2] گیان سے خالی بے عقل۔

چوپائی

تین لوک کو سب کوئی دھاوے۔ چوتھے دیو کا مرم نہ پاوے
چوتھا چھوڑ پنچم چت لاوے۔ کہیں کبیر ہمرے ڈھنگ آوے

ساکھی
تین گُنن کی بھگتی میں بھُول رہا سنسار
کہیں کبیر ست نام بن کیسے اُترے پار

پھر کبیر صاحب نے سادھُوؤں کو سمجھایا جسے ہم اپنی زبان میں یہاں بیان کرتے ہیں:-
"دوستو! تم تو بالکل ہی سفلی لطفے کی بھکتی کرتے ہو جس کا پھل سوا جنم مرن کے اور کچھ نہیں ہے۔ جس رام کو تم پُوج رہے ہو وہ صرف وراٹ پُرش کا اوتار اور اُس کا انش ہے۔ یہ وراٹ اور اُس کی دو اُونچی حالتیں حد کے اندر ہیں۔ وراٹ کی دو اُونچی حالتوں کا نام اویاکرت اور ہرنیہ گربھ ہیں۔ یہ تین نام برہم کے ہیں اور یہ برہم ان تین ناموں کی وجہ سے ترگن تمک یعنی تین گُن والا ہے۔ تین گُن ناقص کہلاتے ہیں اور اس وجہ سے یہ برہم بھی نقص سے خالی نہیں۔ اور اُس کی اُپاسنا خواہ وہ نیچے وراٹ کے درجہ کی ہو خواہ اونچے (اویاکرت اور ہرنیہ گربھ کے) درجہ کی ہو ناقص ہی کہلائے گی۔ جیسا جیو ناقص اور محدود ہے ویسا ہی یہ برہم بھی ناقص اور محدود ہے۔ جیسے جیو تین گُن کے لپیٹ میں پڑا رہتا ہے ویسے ہی برہم بھی تین گُنوں والا ہے۔ تین گُن ست، رج اور تم ہیں اور تین گُنوں کے اثر سے جیسے جیو کی تین حالتیں ہیں ویسے ہی ان تین گُنوں کی وجہ سے برہم بھی ان سے اونچا نہیں ہے۔ جیو کی تین حالتیں جاگرت، سپن اور سُوشپتی ہیں۔ برہم کی بھی تین حالتیں جاگرت، سپن اور سُوشپتی ہوتی ہیں۔ جاگرت میں جیو کا نام وِشو، سپن میں جیو کا نام تیجس اور سُوشپتی میں جیو کا نام پراگیہ ہوتا ہے۔ جاگرت میں برہم کا نام وراٹ، سپن میں برہم کا نام اویاکرت اور سُوشپتی میں برہم کا نام ہرنیہ گربھ ہوتا ہے۔ دونوں کے بیوہار ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جیسا جیو ویسے برہم۔ پس اس برہم کی اُپاسنا سے کسی کی مُکتی کیسے ہوگی! جب برہم کی خود ہی مُکتی نہیں ہے تو جیو کو اُس کی اُپاسنا کرنے سے کیسے مُکتی مل جائیگی

ساکھی

بندھے کو بندھا ملا سب بدھی رہا بندھائے
سیوا کر نربندھ کی ترت ہی دے چھڑائے

حد لبت کے دیوتا کی اُپاسنا سے حد ہی میں پڑے رہو گے۔ اس عمل سے تم کبھی اپنے اُپاسیہ دیو سے اونچے تو نہیں جا سکتے! اُپاسک کبھی اُپاسیہ دیو سے اونچا نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو۔

ساکھی

حد چھوڑ بیحد گیا لیا ٹھیکرا ہاتھ
بھیا بھکاری رام کا درشن پائے ناتھ
حد میں بیو نہ پائیا بیحد میں بھرپور
بیحد کی گم لکھے تا کو بیو حضور
حد بندھا بیحد رمے پل پل دیکھے نور
منوا تہاں لگائیے جہاں باجے انہد تور
حد چھوڑ بیحد گیا شونیہ کیا استھان
مُنی جن گم پاوے نہیں تہاں مجھ کو بسرام
حد چھانڈ بیحد گیا رہا نرنتر ہوے
بیحد کے میدان میں کبیر سُکھو سے سوئے
حد میں رہے سو مانوا بیحد رہے سو سادھ
حد بے حد دونو تجے تن کا متا اگادھ

اوتار رام کا درجہ وراٹ سے بھی اُونچا نہیں ہے۔ اب تم سمجھو برہمہ کا یہ اوتار تم کو کیسے چھُڑا سکے گا۔ اُس نے جنم دھارن کیا اور اُس نے شریر کو تیاگ دیا۔ یہ تم کو معلوم ہے پس اگر تم اِس کی اُپاسنا میں لگے رہے تو بات کیا ہوئی!

اس لئے تین گنوں کے درجوں سے کسی اُونچے پد کی اُپاسنا کرو تب تمھارا کچھ کام نکلے۔ اسی کو چوتھا پد کہتے ہیں۔ مگر اس چوتھے پد میں بھی نقص ہے جب اِس کو چھوڑ کر پنچم اوستھا میں چیت لگانا چاہو تب ہماری (کبیر کی) بات سمجھ سکو گے۔ اُس وقت ہم سے اگر پوچھو کہ کس رام کی بندگی کرنی چاہئے تب ہم تمھیں بتا دیں گے۔

سادھو کبیر صاحب کے چرنوں میں گرے۔ اُن کے معتقد ہوئے اور اُن کی ست سنگت کی برکت سے تھوڑے ہی دنوں میں کچھ کے کچھ بن گئے۔

جینیوں کو چتاونی

جینیوں کو جس طرح کبیر صاحب نے سمجھایا ہے وہ بھی نرالی ہی ترکیب تھی آپ فرماتے ہیں:

رمینی

جینی دھرم کا مرم نہ جانا پاتی توڑ دیو گھر آنا
دونا مروا چمپا پھولا مانو جیو کوٹی سم تولا
اُو پرتھوی کا روم اُچارے دیکھت جنم آپنو ہارے
تا کر حال ہوے اگھ رُوچا (پاپ سے بچے ہوئے) چھ درشن میں جین بگوچا (جھوٹے ٹھہرے)

مطلب اس کا یہ ہے کہ جینیوں نے بھی دھرم کے مرم کو نہیں جانا۔ بغیر سمجھے بُوجھے جیو رکشا کی ڈینگ مارتے رہتے ہیں۔ جیو سے خالی تو دُنیا کا ایک ذرّہ بھی نہیں ہے۔ درخت کے جس تنے پھول، دونا اور مروا کو وہ توڑ کر اپنی دیول میں لاتے ہیں کیا ان میں جیو نہیں ہے؟ ایک ایک میں دو چار نہیں کروڑوں ہی جیو جنتو موجود ہیں۔ انھوں نے بغیر سمجھے بُوجھے جیو رکشا

کے غلط واہمہ کو پختہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ زمین بطور خود جیو نہیں ہے؟ اس کے درختوں کا اُکھیڑنا ویسا ہی ہے جیسے کسی کے جسم کے رونگٹے کو نوچنا۔ پھر اگر وہ غلط واہمہ اور غلط تصور میں پڑ گئے تو کیا اُن کا جسم نشچھل نہیں گیا اور وہ پاپ سے چھلے ہوئے نہیں ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ کھٹ درشن والے موقع موقع پر بھولا ہوا بتاتے ہیں۔ مطلب بہت واضح ہے۔ بات کچھ ہے اور آدمی کچھ سمجھ لیتا ہے اور غلط خیال کا شکار ہو جاتا ہے۔

جیو رکشا

جیو رکشا بہت اچھی بات ہے۔ کبیر صاحب خود اس پر بہت زور دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں پر محض گوشت کھانے پر ساری عمر لعن طعن کرتے تھے۔

ساکھی

تل بھر مچھلی کھائے کے کوٹی گئو دے دان
کاشی کروٹ لے مرے تو بھی نرک ندان
خوش کھانا ہے کھیچڑی ماہیں پڑے ٹک نون
ماس پرایا کھائے کر گلا کٹاوے کون
کہتا ہوں کہہ جات ہوں کہا جو مانے ہمار
جا کا گلا تم کاٹی ہو سو کاٹی ہے تمھار
مانس اہاری راکشس یہ نشچے کر جان
تا کی سنگت نا کرو ہوئے بھگتی میں ہان
مانس مچھریا کھات ہیں سُرا پان سوں ہیت
تے نر نرکے جائیں گے ماتا پتا سمیت
مانس بھکھے مدرا پیئے اور بیسوا سنگ کھائیں
جوا کھیل چوری کریں جڑا مول سے جائیں

مانس مانس سب ایک ہیں کیا مُرغی کیا گائے
آنکھوں دیکھ نہار کے تے نر نرکے جائے
پاپی پُوجا بیٹھ کے بھکھے مانس مد دوئے
تن کی دِکشا مکتی نہیں کوٹی نرک پھل ہوئے
بشٹا کا چوکا دیا ہانڈی پکیا ہاڑ
چھُوت چھات بچنے کرے تن کی گورو ہے رانڈ
جیو ہتے ہنسا کرے پرگٹ پاپ سر ہوت
اِن میں پاپ انیک ہیں پُنیہ نہ دیکھا کوئے
بکری پاتی کھات ہے تا کی کاڑھی کھال
جو کوئی بکری کھات ہے تا کا کون حوال
انڈے کن بسمل کئے مچھلی کیا حلال
جبھیا کے رس سواد میں یہ نر بھیا بے حال
مُلا تجھے کریم کا کب آیا فرمان
دیا بھاو ہردے نہیں ذبح کرے حیوان
قاضی کا بیٹا مرا دِل میں سالے پیر
وہ صاحب سب کا پتا کہا مان بے پیر
پیر سبن کی ایک سی مُورکھ جانے نا نہہ
اپنا گلا کٹائے کے بھیت بسے کیوں نانہہ
دِن کو روزہ راکھتے رات بدھت ہے گائے
یہ خون وہ بندگی کیسے خوشی خدائے

کبیر سوئی پیر ہے جو جانے پر پیر
جو پر پیر نہ جانئی سو کافر بے پیر

ہندو میں دایا نہیں رحم ترک میں ناہہ
کہیں کبیر دونوں گئے لکھ چوراسی ماہہ

مسلمان کے گرد ہے ہندو کے تلوار
کہیں کبیر دونوں چلے مل کر جم کے دوار

ہم نے تو ایسا بھی سُنا ہے کہ کبیر صاحب دودھ، دہی، گھی، شہد وغیرہ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ دودھ پینے کا حق صرف بچھڑے کو ہے۔ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ اُن کو غذا سے محروم کرے اور پھر کیا یہ دودھ خون سے نہیں بنتا؟

دُنیا ہمیشہ انتہا پسند ہو جاتی ہے اور اس عادت کی وجہ سے وہ جانوروں کے واسطے آدمیوں کا گلا کاٹنے لگتی ہے اور پورے طور پر ہنسک بن جاتی ہے۔ غرض تو اور ہے۔ دھرم کا مرم بھی اور ہے مگر یہ اسی کو دھرم سمجھ لیتے ہیں اور اُس کے سلسلہ میں طرح طرح کے ادھرم کے مجرم بنتے ہیں۔

کبیر صاحب کے ست گُرو وقت تسلیم کرنے میں صرف نادانوں ہی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ جتنی خصوصیتیں کہ ایسی شخصیتوں سے منسوب کی جاتی ہیں ان کی ذات پاک میں موجود تھیں۔ کبیر مجسم ذاتِ اکبر ہیں اور رُوحانی خیالات کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں ہے جو اُن میں نہ رہا ہو۔ یہ رُوحانی اور حقانی ظہور کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہُوا ہے جو مشاہدہ کرنے والوں کی حیرت کے لئے غیر معمولی نظارہ ہے۔ کبیر صاحب کی زندگی پر جو شخص جس قدر غور کرے گا اُسی قدر اُس کی حیرت بڑھتی جائے گی اور آخر میں اگر وہ منصف مزاج ہے تو اُسے تسلیم کرنے سے انکار نہ ہوگا کہ کوئی دُنیا کا رشی مُنی پیر پیغمبر اُن کے گرد تک کو نہیں پہنچا اور اُن کے ساتھ اُن کی مُشابہت نہیں ہو سکتی۔ ہم کسی تعصب اور

تنگدلی سے یہ بات نہیں کہتے اور نہ ہم مذہبی عقیدہ کی نظر سے کبیر پنتھی ہیں۔ ورنہ لوگوں کو کہنے کا حق تھا کہ یہ کلمے محض مذہبی حمایت یا پکشپات کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہم نے بغور اُن کے کلام کا مطالعہ کیا۔ دوسروں کے خیالات سے مقابلہ کیا اور اپنی دانست میں انہیں سب سے اُونچا پایا اور یہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے۔ ابھی تک لوگوں کی نگاہ بیجک وغیرہ کی طرف نہیں گئی۔ وہ چونکہ معمولی اور دیہاتیوں کی زبان میں ہیں اس لئے اب تک تعلیم یافتہ گروہ اُن کی جانب مائل نہیں ہُوا ہے۔ مگر اب وقت آرہا ہے اور شاید آبھی گیا ہے اور اُمید ہے لوگ کبیر صاحب کے علمی اور قلمی خزانوں سے فیضیاب ہونا اپنا فخر سمجھیں گے۔

کبیر بانی

اِس عجیب دِل و دماغ کے فوق البشر انسان نے اِس قدر کلام کہے ہیں کہ جو بطور خود ہر کس و ناکس کے تعجب کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔ سوا نظم کے اور کچھ نہیں کہا۔ جہاں جاتے تھے شبد ساکھی رمینی وغیرہ ہی بولتے تھے۔

بانی ارب کھرب ہیں گرنتھ ہیں کوٹی ہزار
کرتا پُرش کبیر ہیں نابھا کیو وچار

چتر بھگت گوبند درشن اُبھے تارن ترن
تا میں مُکھیہ کبیر ہیں تا پد کی نابھا شرن

کبیر صاحب کی ذات پاک کے متعلق صرف ہمارا ہی اپنا ذاتی خیال اس قسم کا نہیں ہے بلکہ اور بزرگوں نے بھی اِس قسم کے بھاو پرگٹ کئے ہیں۔ کبیر صاحب ذلیل قوم اور مسلمان خاندان میں ہوئے ہیں جو کس مپرسی کی حالت میں پڑا تھا۔ کوئی خاص بات ضرور رہی ہوگی تب تو سب اُن کے قدموں میں جھکے ورنہ ہندو خاص کر کب اُن کو ماننے لگے تھے۔ یہ سب سے زیادہ زبردست ثبوت اُن کی بزرگی اور عظمت کا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مُسلمان صوفیوں میں اکثر صاحب کمال گذرے ہیں مگر ہم کو تو ایک بھی ایسا برگزیدہ مُسلمان فقیر نظر نہیں آتا جس کے معتقد ہندو بہ کثرت ہوئے ہوں گے۔ ہندوؤں میں ذات پانت کی سختی جس زور کے ساتھ ہے وہ سب کو معلوم

ہے۔ یہ بہ آسانی کبھی کسی کی طرف رجوع ہونے والے نہیں ہیں۔ جُولاہے کا معتقد ہونا آخر کچھ معنی رکھتا ہے۔

نانک صاحب

گُورُو نانک صاحب جو کبیر صاحب کے خاص معتقدین اور خوشہ چین ہیں یوں فرماتے ہیں:-

سارى عمر تپ کیو کاسی بسانت بھئے مگہر کے باسی
کاسی مگہر ایک سمان ہوئے کبیرا رمتے رام

نانک صاحب صاف لفظوں میں اقرار کر رہے ہیں کہ کبیر رمتے رام تھے۔ اُنھوں نے سوال کئے جانے پر سلطان بابر کے سامنے کہا تھا "کبیر جامہ پاک بُود۔ کبیر ذات خدا بُود"۔ تزک بابری میں اس کا کچھ ذکر آتا ہے۔ آج کل کے نانک پنتھی غلطی میں پڑ کر اُن کو کبیر بھگت اور بھگت کبیر کہا کرتے ہیں۔ اُنھیں اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ خود گورو نانک صاحب کبیر صاحب کے خوشہ چینوں میں سے تھے اور براہ راست اُن سے فیض پایا تھا۔ جن کو گورو نانک صاحب نے چالیس روپیہ بھینٹ چڑھا کر پرمارتھ کا سودا مول لیا تھا وہ آخر تھے کون! یہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔

دادُو صاحب

راجپوتانہ کے دادُو صاحب انبر کے راجاؤں کے قابلِ تعظیم مُرشد تھے۔ اِن کو کسی بزرگ سے فیض ملا تھا جنھیں وہ خود کبیر صاحب کی ذات مانتے ہیں اور اُن کے اور کبیر صاحب کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ دادو صاحب کی بانی سُنئے:-

کاشی تج مگہر گئے کبیر بھروسے رام
سندہی صاحب ملے دادو پورے کام
میرے گُنت کبیر ہیں براور نہ برہوں
دادُو تین طلاق ہے پچت اور نہ دھرہوں

مگر دادو پنتھی فقیر بھی اسی نادانی کے شکار ہوئے کہ وہ بھی آج کل کبیر صاحب کی عظمت کے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

الغرض اس قسم کے بے شمار کلام پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے کبیر صاحب کی اصلی عظمت کا کچھ کچھ پتہ لگتا ہے۔

تُلسی داس جی

یہ میرا ہی خیال نہیں ہے کہ وچار کے تمام انگ کبیر صاحب کی بانی میں موجود ہیں اور کئی انصاف پسند بزرگوں نے بھی ایسی ہی رائے دی ہے جن میں ایک گوسائیں تلسی داس جی مہاراج جونابھاجی کے ہمعصر اور لافانی مانس چرتر رامائن کے زندۂ جاوید مصنف ہیں نہایت ہی زور دار لہجہ میں فرما گئے ہیں:-

سار دستو سب کبیرے کہا۔ شیش رہا سو سُور نے لہا
جُھٹکر سب کبیوں کہا۔ تُلسی رام نام پد کہا

کہتے ہیں۔ "جو کچھ کہنے کا حق تھا کبیر صاحب سب ہی کچھ کہہ گئے۔ اگر کچھ باقی بھی رہا تھا تو وہ سُور داس جی کے حصہ میں آیا اور شاعروں نے متفرقات کی طرف دھیان دیا۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر رام نام یعنی رامائن ہی سے تعلق رکھا۔"

یہ ایک سچے انسان کی شہادت ہے۔ جس میں نام کے لئے بھی تعصب نہیں ہے اور سچ مچ گوسائیں تلسی داس جی نے سوا رامائنوں کے اور کچھ بھی منظوم نہیں کیا۔ اُنھوں نے بتیس رامائنیں لکھی ہیں۔ کوئی دوہاولی ہے۔ کوئی شبداولی ہے۔ کوئی کبتاولی ہے۔ کوئی گیتاولی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں مانس چرتر رامائن سب میں خاص ہے۔ جس کی ہردلعزیزی کی ایک دُنیا قایل ہے اور باوجود مخالفت اور مخاصمت کے بھی اب تک اُس کی ہردلعزیزی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور نہ کوئی پہنچا سکتا ہے۔

ملوک داس وغیرہ

ملوک داس جی اور غریب داس جی وغیرہ کبیر انتھ ادسادھو مہاتما زوردار کلام ہیں

صاف صاف شہادت دیتے آئے ہیں کہ کبیر صاحب کا پایہ حقانی شخصیتوں میں سب سے زیادہ زبردست ہے۔

ایک صاحب نے ہم سے سوال کیا۔ تم ہر وقت کبیر صاحب ہی کے گُن گاتے رہتے ہو۔ کیا کبیر صاحب تمھارے گُورو ہیں؟ اور تم نے اور کسی کو گُورو نہیں دھارن کیا؟ ہم نے انھیں جواب دیا۔ ہاں ہم نے گُورو دھارن کیا ہے۔ حضور معلیٰ و مقدس رائے شالگرام صاحب بہادر کے چرنوں میں جھک کر پرمارتھ کی تعلیم پائی ہے مگر ہم انھیں کبیر صاحب سے مختلف نہیں سمجھتے۔ انھوں نے کہا۔ رائے صاحب تو رادھا سوامی مت کے مُوجد اور بانی مبانی تھے۔ تم اُن کو کبیر صاحب کیسے کہتے ہو؟ تم کو تو کبیر پنتھی کہنا چاہیئے۔ ہم نے کہا۔ آپ نے رادھا سوامی مت کو اب تک ذرا بھی نہیں سمجھا اور نہ اُس مت کی بانی پڑھی ہے۔ اگر سمجھا اور پڑھا ہوتا تو اس قسم کے اعتراضی الفاظ تمھاری زبان پر نہ آتے۔ جنھوں نے پہلے کبیر صاحب کی صُورت میں تعلیم کے سلسلہ کو جاری کیا تھا وہ رائے شالگرام صاحب ہی تھے اور جن کو دُنیا اس زمانہ میں رائے شالگرام صاحب کے نام سے یاد کرتی ہے وہ کبیر صاحب ہی ہیں۔ ذاتِ کبیر ذاتِ اکبر ہے۔ اُس کے چاہے جتنے رُوپ ہُوا کریں ذات میں کیا فرق آتا ہے۔ ہم ہی تو ہیں۔ کسی کے بھائی کسی کے بیٹے کسی کے دوست ہیں۔ کبھی ہم ہاتھ میں قلم لے کر مصنّف ہوتے ہیں۔ کبھی ہمارے کلام کو سُن کر کوئی ہمیں مہرشی کہتا ہے۔ کوئی اور بھی کچھ کہا کرتا ہے۔ ہم تو ذات ہیں۔ ذات میں وحدانیت، یکتائیت اور وحدت ہے۔ صفات کے لحاظ سے جس کا جی چاہے ہم کو مختلف نام اور مختلف رُوپ سے یاد کیا کرے۔ اس میں فرق کیا آتا ہے۔ ہم گُورو کی ذات کو ذاتِ کبیر اور ذاتِ اکبر ہی تسلیم کرتے ہیں۔ حضور مہاراج خود ہی ذاتِ کبیر اور ذاتِ اکبر تھے۔ اس لیئے تم کو ہمارے اُوپر اس قسم کے اعتراض کرنے کی جُرأت کیسے ہوتی ہے! اس کے سوا جہاں گُورو کی استتی کی جاتی ہے خواہ گُورو دھارن کرنے کی تعلیم دی گئی ہے وہاں کیا کہا گیا ہے۔ اُسے بھی تو بغور پڑھو تب یہ تصوف کا باریک نکتہ تمھاری سمجھ میں آوے۔ سار بچن رادھا سوامی میں کہا گیا ہے:-

دھری دیہہ ہانش کی گورو نے جیوں تیوں بترا کریں کلیان
سیوا کر پوجا کر اُن کی اُن ہی کو گورو نانک جان

دہی کبیر وہی ست ناما سب سنتن کو وہی پہچان
تیرا کاج اُنھیں سے ہوگا مت بھٹکے تو تج ابھمان

اگر پنتھ اور سمپردا تعصب، ہٹ دھرمی، پکش پات اور تنگدلی کی تعلیم دیتا ہے تو ایسے پنتھ اور سمپردا کو خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو دُور ہی سے سلام کرنا چاہئے۔ ہم نے پنتھ کا سہارا اس واسطے نہیں لیا کہ ہم تنگدل، تنگ خیال اور تنگ نظر بنیں۔ ہمارا آئیڈیل اور آدرش وسیع دلی، بلند خیالی اور بسیط نظری کا ہے اگر کسی پنتھ میں شامل ہونے سے یہ بات حاصل ہوتی ہے تب تو ٹھیک ہے ورنہ اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ تعصب رُوحانی مرض ہے اور ایسے مریض رُوحانی ترقی کے نہ قابل ہیں اور نہ اُن کو استحقاق ہے۔

ہماری اپنی زندگی میں بھی عجیب و غریب واقعات ہوئے ہیں۔ جو کتاب ہم کو حضور معلیٰ نے بخشی تھی وہ کبیر صاحب ہی کی بانی تھی جو سنت سنگرہ حصہ اول میں آئی ہے۔ ہم نے بطور خود وید، درشن، اُپنشد اور ویدانت کے بہت سے گرنتھ دیکھے۔ بودھوں کی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے سنت متانتروں کے نوشتہ جات کا مطالعہ کیا کئے مگر کبیر صاحب کی بانی سب سے زیادہ سلجھی ہوئی اور سُلجھانے والی نظر آئی۔ سنہ ۱۹۱۶ء کا ذکر ہے۔ ایک دن ہم دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی دیرینہ سال مسلمان بزرگ ایک دوسرے مسلمان کا ہاتھ پکڑے ہوئے سڑک پر جارہے تھے اور اپنے ساتھی سے کہتے بھی جاتے تھے۔ بھائی! میں نے شیخ محی الدین ابن عربی کا فصوص الحکم، مولانا جلال الدین کی مثنوی معنوی، حافظ شیرازی اور شمس تبریز کے دیوان، فریدالدین عطار کے کلام سب کچھ دیکھے مگر کبیر کے دوہے چوپائی غضب کے ہیں۔ ان کا اثر دل پر فوری ہوتا ہے یہ بات کسی میں نظر نہیں آتی۔ وہ تو گفتگو کرتے ہوئے چلے گئے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کون تھے اور کہاں جارہے تھے۔ ورنہ موقع پاکر میں اُن سے ضرور ملتا۔ مگر یہ باتیں مجھے یاد رہ گئیں دل میں عزت پیدا ہوئی کہ یہ بزرگ نہایت انصاف پسند طبیعت رکھتا ہے۔

فقیروں کا مذہب

فقیروں کا طریق آزاد مشرب ہے۔ یہاں آکر تنگدلی کیسی اور کسی مذہب یا مذہبی سلسلہ میں

پیدا ہونا، شامل ہونا اور اُس سے تعلیم پانا تو برکت کی بات ہے لیکن اُس پر مرنا لعنت کا مضمون ہے۔ مدرسہ میں ہم صرف علم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ اُسے اپنے گلے کا طوق تو نہیں بناتے! اگر ایسا کرتے ہیں تو وہ بھی بندھن اور قید بند کی زنجیر ہو گیا۔ ہم اپنے معراج سے گر گئے۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماشت سینہ چو آئینہ داشتن

ہم تو ایسا سمجھ رہے ہیں۔ اگر کوئی اس سے مختلف سمجھتا ہے تو اُس کی سمجھ اُس کے ساتھ ہماری سمجھ ہمارے ساتھ! ہم نہ کسی سے اُلجھتے ہیں نہ لڑائی جھگڑا مول لیتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے طور پر سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ زبان اور خیال کی آزادی کا حق ہر شخص کو ہے۔ ہم کسی کی زبان نہیں بند کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ ہاں جو بات ہم کو صحیح اور سچی معلوم ہوتی ہے وہ صاف صاف کہہ دیتے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے اُسے اختیار ہے۔

سادھو ایسا چاہئے۔ سانچی کہے بنائے
کے ٹوٹے کے جُڑے۔ بِن کہے بھرم نا جائے

یہ خود کبیر صاحب کا کلام ہے۔

جب ہمارا اصول مُکتی، نجات اور آزادی کا ہے تو ہم کیوں کسی کو پھنسانے لگے! ہم اگر ممکن ہوگا تو ہم چھڑا دیں گے۔ مذہبی وسوسات میں پھنسانے تو ہم نہیں آئے ہیں۔ تم کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ جو سلجھی ہوئی طبیعت رکھتے ہیں سلجھا دیتے ہیں۔ جو آپ اُلجھے ہیں وہ اوروں کو بھی اُلجھا دیتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مشکل مسئلہ پر روشنی نہیں ڈال سکتا تو اپنی نادانی اور جہالت کے چھپانے کے لئے یا تو سختی اور جبر کرتا ہے یا دقیق اصطلاحات کی مدد سے کر اُسی میں پھنسا رکھتا ہے تاکہ سُننے والے اُس کے معتقد بنے رہیں اور اُس کے دربے (ڈربے) کی پھنسی ہوئی مرغیاں دوسرے ڈربے میں جا کر پھنس نہ جائیں۔ یہ ہمارا کم از کم اصول نہیں ہے۔ نہ یہ ہمارا طریقہ ہے۔ بچوں کی زبان میں دوسروں کے ذہن نشین ہو جائے۔ ہم یوں کہتے ہیں اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو کہہ بھی دیتے ہیں کہ اس کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے اور نہ ہم اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

وسیع نظری

کبیر صاحب حد درجہ کے بسیط نظر تھے۔ جیسا کہ اُن کے لاثانی کلام سے ظاہر ہے۔ مذہبی خرابیاں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ کال کے جگت میں کوئی شخص ہمیشہ کے لئے اُن کی بیخ کنی نہیں کر سکتا۔ سنت اور سادھو آتے ہیں ادھکاریوں کی زندگیاں سُدھار جاتے ہیں۔ وہ معراج پسند ہوتے ہیں۔ اُن کی اخلاقی اور روحانی حالت اس قدر اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے کہ آدمی کو دیکھ کر حیرت ہونے لگتی ہے مگر ایک ہی آدھ پُشت کے بعد سلسلہ بگڑنے لگتا ہے۔ سجادہ نشیں یا گدی نشینوں کی وہ حالت نہیں رہتی۔ وہ خود غرض، شنا پسند اور زبردست ہو جاتے ہیں یا لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں۔ جماعت بڑھ جاتی ہے۔ شاگردوں کی کثیر تعداد ہمراہ رہنے لگتی ہے۔ انجھو تو ان کو ہوتا نہیں جو اصلیت کی طرف لے جایا کرتا۔ سوا نقل اور تقلید کے انھیں اور کچھ نہیں سُوجھتی اور دُنیاوی نمود، مال دولت کی کثرت اور آدمیوں کا ہجوم ان کو معراج آدرش اور آئیڈیل سے گرا دیتا ہے اور وہ دوسرے سماج اور سبھا کے پیروکاروں کی طرح کٹر، متعصب اور تنگدل بن جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ پنتھ کا سلسلہ تو نکل چلتا ہے مگر یہ بھی اصلی پرمارتھ سے کورے رہتے ہیں اور ان کے شاگرد ان سے بھی بدتر رہتے ہیں۔ کبیر صاحب نے ادھر توجہ کی۔ اپنی بانی میں سمجھانا شروع کیا کہ چاہے اور جگہ جماعت کرامات کی چیز ہو مگر پرمارتھ میں اس کا یہ دستور نہیں ہے اور جو لوگ جماعت پسندی کی نگاہ رکھتے ہیں وہ سچے سنت اور مہاتما کے پہچاننے میں تقصیر کرنے لگتے ہیں کیونکہ ان کی سمجھ میں جس کے پاس زیادہ بھیڑ بھاڑ رہتی ہے وہی فقیر یا سنت سمجھے جانے کے قابل ہے۔ اس غلطی کا بھی کہیں ٹھکانا ہے!

کبیر صاحب کی بانی ہے:-

چھوٹی آنکھ پِویک کی لکھے نہ سنت اسنت
جاکے سنگ دس بیس ہیں تاکا نام مہنت

اسی سلسلہ میں سچے سنت اور سادھو کی پہچان کے متعلق فرماتے ہیں۔

سنگھوں کے لہنڈے نہیں ہنسوں کی نہیں پانت
لعلوں کی نہیں بوریاں سادھ نہ چلیں جمات

"دُنیا میں شیروں کے گلے دیکھنے میں نہیں آتے۔ گلے تو بھیڑ بکری گائے اور بھینسوں کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہنسوں کا ہجوم کہیں نظر نہیں آتا۔ کووں، بلبلوں اور ادنیٰ درجے کے پرندوں کے جھنڈ ہر جگہ بے شک ملتے ہیں۔ لعل تھیلے اور بوریاں میں کس کس کر نہیں بھرے رہتے۔ وہ الگ الگ رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسی اصول کے مطابق سادھو جماعت بنا کر نہیں رہتے۔ جہاں جماعت بنانے، اُلٹی پٹی پڑھانے اور دوسروں کے ڈبوں کی مریدوں کو اپنے ڈبے میں پھنسانے کا اہتمام مدِ نظر رہے وہاں اہلِ بصیرت کو چوکنا ہونا پڑتا ہے۔ نادان تو بے شک پھنس پھنسا کر اپنی زندگیوں کو برباد کریں گے مگر ودیکی پُرش ایسے آدمیوں کے دام میں نہیں پھنس سکتا ورنہ یہ یاد رہے کہ بیسیوں برس گذر جائیں گے اور پرمارتھ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ بیٹنوں کے روحانی منازل طے کرنے کی نوبت ہی آوے گی۔ جن لوگوں کو ایسا دھوکا کہیں نہ دیا ہوا اُن کے محتاط اور متنبہ بنانے کے لیے کبیر صاحب کے یہ کلام کافی ہیں۔

سنت اور سنت مت

سنت اور سادھو کسے کہتے ہیں؟ اور اُن کا مت کیا ہے؟ ان کی نسبت بھی کچھ جتانے کی یہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہم اپنی طرف سے کیوں دخل در معقولات کریں۔ خود کبیر صاحب کی مہا انجوی بانی سُناتے ہیں:-

سادھو کا لکشن

نربیری نہہ کامتا سوامی سیتی نیہہ
دِشیوں سے نیارا رہے سادھوں کا مت ایہہ

رِبی کو تیج گھٹے نہیں جو گھن جُڑے گھمنڈ
سادھ بچن پلٹے نہیں پلٹ جائے برہمنڈ
سادھ کہاون کٹھن ہے جیُوں کھانڈے کی دھار
ڈگمگے تو گِر پڑے نشچل اُترے پار
جوَن چال سنسار کی توَن سادھ کی ناہ
ڈِبھ چال کرنی کرے سادھو کہو مت تاہ
گانٹھی دام نہ باندھئی نہیں ناری سوں نیہہ
کہیں کبیر تا سادھ کی ہم چرنن کی کھیہ
سادھ ہمارے آتما ہم سادھن کے جیو
سادھن میں ہم یُوں رہیں جیُوں پئے مدھے گھیو
جیُوں پئے مدھے گھیو ہے تیُوں رمیا سب ٹھور
کتھنا بکتا بہت ہیں متھ کاڑھے تے اور
سادھ ندی جل پریم رس تہاں پرچھالوں انگ
کہیں کبیر نِرمل بھیا سادھو جن کے سنگ
الکھ پُرش کی آرسی سادھوں ہی کی دیہہ
لکھا جو چاہے الکھ کو اِن ہی میں لکھ لیہہ
کوئی آوے بھاو سے کوئی آوے ابھاو

سادھ دواؤ کو پوستے بھاؤ نہ گہیں ابھاو
سب بن تو چندن نہیں سُورا کے دَل ناہہ
سب سُمدر موتی نہیں یوں سادھو جگ ماہہ
سوانگی سب سنسار ہے سادھ سمجھ بھئے پار
الل پکش کوئی ایک ہے پکشی کوٹی ہزار
سنت نہ چھانڈے سنت پن کوٹن ملیں اسنت
ملے بھوونگن بیدھیا سیتلتا نہ تجنت
سادھو ایسا چاہیے دُکھے دُکھاوے ناہہ
پان پھول چھیڑے نہیں رہے بغیچہ ماہہ
سادھو بھونرا جگ کلی نس دن پھرے اُداس
تھوڑی دیر بلنبیا جہاں سیتل شبد نواس
کمل پتر ہیں سادھ جن بسیں جگت کے ماہہ
بالک کیری دھائے جیوں اپنا جانت ناہہ
اُڈگن مین سُدھار کر بست نیر کے سندھ
یوں سادھو سنسار میں کبیر نہ پڑتے پھند
تین لوک اَنُمان ہیں چوتھا اگم اگادھ
پنچم دشا ہے الکھ کی جانے گا کوئی سادھ

بھیکھ سادھ بہُو انترا جیسے آم ببول
واکی ڈالی امی پھل واکی ڈالی سُول
جوَن بھاو اُوپر رہے ماہی بسائے سوئے
بھیتر اور نہ دیکھئے باہر اَور نہ سوئے
سادھ چال جو بنت چلے سادھ کہاوے سوئے
بِن سادھن تو سدھی نہیں سادھ کہاں تے ہوئے
سادھو سوئی جانئے چلے سادھ کی چال
پرمارتھ لاتا رہے بولے بچن رسال
شیل ونت دِرڑھ گیان مت امی اُدار چت ہوئے
لجیا وان نچھلتا کومل ہردا سوئے
دیاونت دھرم دھوجا دھیرج وان پرمان
سنتوشی سُکھدایکا سیوک پرم سُوجان
گیانی ابھمانی نہیں سب کاہُو سے ہیت
ستیہ وان پرشوارتھی آدر بھاو سہیت
نشچل نرمل دِرڑھ متا یہ سب لکشن جان
سادھ سوئی ہے جگت میں جو یہ لکشن وان
سادھ ملے صاحب ملے انتر رہی نہ ریکھ
منسا باچا کرمنا سادھو صاحب ایک
مضمون کیسا صاف ہے۔ کلام کیسا واضح ہے۔ اس میں کہیں لگاو لپیٹ یا تصنع اوٹ کا نام نہیں ہے۔

سادھوؤں کی تعریف کون کرسکتا ہے! کبیر صاحب ہی تعریف کرسکتے ہیں۔ آدمی ان کی نسبت کیا کہے۔ سادھو کسی معترض کے تردیدی مسئلہ کو سُن کر ناک بھوں نہیں چڑھاتے نہ ایسے ست سنگ میں آنے سے روکتے ہیں۔ گنگا میں کوئی نہانے جاتا ہے۔ کوئی پیشاب پاخانہ صاف کرنے جاتا ہے۔ گنگا کسی کو روکتی ہے! سادھو گنگا ہیں جن سے ہر شخص کو فیض ملتا ہے۔ اُن کی نظر میں دوست اور دشمن سب ایک ہوتے ہیں۔ جو آتا ہے بُری بھلی طرح اپنا کام بنالے جاتا ہے۔ اُن کو کسی کی دوستی یا دشمنی کی کیا پرواہ ہے! سادھوؤں کی سب سے زبردست تعریف یہ ہے کہ وہ جیووں کو اپنی طرح بنا لیتے ہیں اور آزادی کا سبق دے کر اُن کے بندھن کاٹ دیتے ہیں۔

پارس میں اور سنت میں یہی انترو جان
وہ لوہا کندن کرے یہ کرلیں آپ سمان
سُکھ دیویں دُکھ کو ہریں دور کریں اپرادھ
کہیں کبیر وہ کب ملیں پرم سنیہی سادھ

سادھو مت

سادھوؤں کی دوسری تعریف جس کی جانب کبیر صاحب نے توجہ کی نظر منعطف کرانی چاہی ہے یہ ہے:-

سِنگھ سادھ کا ایک مت جیوت ہی کو کھائیں
بھاو ہین مِرتک دَشا تا کے نکٹ نہ جائیں

شیر اور سادھو کا مت ایک ہوتا ہے۔ وہ حلال کو کھاتے ہیں۔ حرام یا مُردار کو نہیں کھاتے۔ جس میں بھاو نہیں ہے اُس کی طرف وہ مخاطب بھی نہیں ہوتے۔

اسی مضمون کو صاحب کمال مولانا روم نے اس طرح بیان کیا ہے:-

قطب شیر و صید کردن کار او
باقیاں ایں جملہ باقی خوار او

قطب شیر ہے۔ شکار مار کر کھاتا ہے اور باقی (گیدڑ اور لومڑی کی طرح) اُس کے پس خوردہ جھوٹے پر جان دیتے اور لڑتے مرتے ہیں۔

جو آج کل دُنیا میں گورُوائی کرتے پھرتے ہیں کیا وہ شیر اور قطب ہیں؟ ہم کو تو ایسا ایک بھی نظر نہیں آتا۔ یہ تو اپنے چیلے چانٹوں کی لار کھانے والے ہیں۔ ان کی نیت اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ جب تک کوئی شخص سو دو سو روپیہ لاکر بھینٹ نہ چڑھائے تب تک وہ اُس کی طرف مخاطب تک نہیں ہوتے۔ ان کی رال اپنے چیلوں کے جھوٹ پر ٹپکتی رہتی ہے۔ چیلے اُن کے معاش کی صورت بنے ہوئے ہیں۔ یہ گورو کیسے ہوئے؟ ان کے گورو تو ان کے چیلے ہیں جو اپنی کمائی کا بیس انداز لاکر انھیں بھینٹ چڑھا جاتے ہیں۔ آنکھ کھول کر دیکھو تب زبان سے بات چیت کرو۔ فضول باتیں نہ بناؤ۔

جس وقت ہم رادھا سوامی مت میں شامل ہوئے تھے اخباروں اور میرے نادان دوستوں نے مضحکہ اُڑانا شروع کیا کہ یہ ایسے مت میں شریک ہوئے ہیں جہاں جھوٹ کھلایا جاتا ہے اور جھوٹ چٹایا جاتا ہے۔ بات کا بتنگڑ اگر نا دوسری بات ہے جو بالکل غلط ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح بھی ہے تو اسے اس طرح سمجھو کہ رادھا سوامی مت میں جھوٹا کھلایا جاتا ہے جھوٹا کھایا نہیں جاتا۔ اس کے آچاریہ شاگردوں اور پیروکاروں کو اپنا جھوٹا کھلاتے ہیں۔ آپ اُن کا جھوٹا نہیں کھاتے۔ شیر نے زندہ وجود کو مارا۔ خون چوس لیا باقی اور کمزور جانوروں کے لئے چھوڑ دیا۔ خود کمائی کی۔ روپیہ پیسہ ہاتھ آیا۔ جو کھانے پینے کا تھا کھا لیا۔ باقی محتاجوں اور اپاہجوں کے کام آیا۔ جھوٹا کھلانا اچھا یا جھوٹا کھانا اچھا!

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

رادھا سوامی مت کے آچاریہ ہمیشہ گرہستی ہوا کئے ہیں جو خود حلال کی کمائی کرتے تھے۔ اپنے چیلوں چانٹوں کے محتاج نہیں تھے بلکہ جو لوگ آتے تھے اُن کے خوان نعمت کا حصہ پاتے تھے۔ جس کسی میں دیکھو کہ وہ اپنے چیلے کی کمائی کا جھوٹا کھاتا ہے اور دہی جھوٹا اُس کا کسب معاش ہے وہ رادھا سوامی مت کا نام یوں ہی بے فائدہ لیتا ہے۔ یہاں لینے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ دینے کا سوال ہے اور گرہستی آچاریہ کو کیا پڑی ہوئی ہے کہ ناحق

وہ اپنے چیلوں کا محتاج اور دست نگر ہو۔

یہ شان فقیری ہے اور جو شخص حق و حلال کی کمائی نہیں کرتا وہ مالک کی بندگی کیا خاک کریگا!

بہر طاعت لقمۂ باید حلال
تا نیفزاید ترا رنج و ملال

بندگی کے لیئے حق حلال کے لقمہ کی ضرورت ہے تاکہ دھیان اور ابھیاس کے وقت دل میں بیہودہ وسوسات اٹھ کر رنج اور ملال کے باعث نہ ہوں۔

اس مسئلہ پر لوگ خود کبیر صاحب ہی کی بانی سے ہمارے کلام پر بیشمار اعتراض اٹھا سکتے ہیں مگر ان کا رُخ سخن کسی اور اصول کی طرف ہے۔ اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہے کہ لوگ نِتھالے ہو کر بھیکھ مانگیں۔ بھیکھ مانگنا نہایت ذلیل کام ہے۔ جب ہاتھ پاؤں، دل، دماغ ملے ہوئے ہیں تو پھر اوروں کی محتاجگی کیسی! کماؤ کھلاؤ۔ دوسروں کی روٹیوں پر نظر نہ رکھو ورنہ پھر پرمارتھ کی کمائی ہو چکی!

اس مانگنے کے متعلق کبیر صاحب اس طرح فرماتے ہیں:-

بھیکھ

(۱) مانگن مرن سمان ہے مت کوئی مانگے بھیکھ
مانگن سے مرنا بھلا یہہ ستگورو کی سیکھ

(۲) مانگن مرن سمان ہے توہی دئی میں سیکھ
کہیں کبیر سمجھائے کے مت کوئی مانگے بھیکھ

(۳) مانگن گئے سو مر رہے مرے جو مانگن جانہہ
تن تے پہلے وہ مرے جو ہوت کرت ہیں نانہہ

(۴) ان مانگا تو اتی بھلا مانگ لیا نہیں دوش
اُدر سمانے مانگ لے نشچے پاویں موکش

(۵) آب گیا آدر گیا نینن گیا سنیہہ
تینوں تب ہی گئے جب ہی کہا کچھو دیہہ

(۶) اُتم بھیک ہے اجگری سن لیجے نج بین
کہیں کبیر تاکے گئے مہا پرم سکھ لین

(۷) جیسا بھوجن کھایئے تیسا ہی من ہوئے
جیسا پانی پیجیئے تیسی بانی سوئے

(۸) اجر دھان اتیت کا گرہی کرے اہار
نشچے ہوئے دردری کہیں کبیر بچار

(۹) مانگن بھلو نہ باپ سوں جو پدھی راکھے ٹیک
بھیکھ بھیس کو جو تجے رہے نشند ہل ایک

(۱۰) مرجاؤں مانگوں نہیں اپنے تن کے کاج
پرمارتھ کے کارنے مجھے نہ آوے لاج

اس سے زیادہ صاف صاف اور کیا کہا جائے۔

اخلاق

سنت مت کے سمجھنے میں جو سخت غلطی کرتے ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے جرم میں پڑ کر نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ اخلاق اور ادب کا بہترین طریق ہے اور جب تک ادب اور اخلاق میں درستگی اور اصلاح نہ آئے گی تب تک روحانی مقامات میں ترقی کرنا کار دارد کا مضمون ہو جاتا ہے۔ بھیکھ مانگنا، دست سوال دراز کرنا حد درجہ کی بداخلاقی، خودغرضی ہے۔ اس سے مالک اپنے پیارے بھگتوں کو بچائے کیونکہ کسی کے زیر احسان ہونے سے ان کے دل دماغ کے کچل جانے کا خوف رہتا ہے۔ وہ بزدل اور نکمے ہو جائیں گے۔ بے خوفی کی قابل تعریف شان ان میں کبھی نہ پیدا ہوگی۔ جو شخص جس پر احسان کرتا ہے

وہ ہمیشہ بالادست ہو کر اُسے جس طرح چاہے گا نچاتا رہے گا۔ آخر دان کے روپے پیسے، غلّہ اور اناج میں بھی تو کوئی اثر ہوتا ہے!

جو گورو خودغرضی سے اپنے شاگرد کی کمائی ہڑپتا ہے اوّل تو وہ اُس کے زیرِ اثر آ کر بااُصول نہ رہے گا، دوسرے اُس کا دل حد درجہ کا ناپاک اور گندہ رہے گا اور جب بے اُصولی اور دل کی گندگی آ گئی تو پھر پرمارتھ کا سودا کوئی کیسے کر سکے گا! اس پر اور زیادہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرق

کبیر صاحب کی بانی کا جہاں تک مطالعہ کیا جاتا ہے اُس میں سادھو اور سنت لفظوں کے درمیان اس قدر فرق نہیں پایا جاتا۔ دونوں لفظوں کے معنی اُس وقت قریب قریب ایک ہی سمجھے جاتے تھے اور وہ مرادف یعنی ہم معنی الفاظ ہو گئے تھے۔ کسی جگہ شبدوں میں آتا ہے، 'کہیں کبیر سنو بھائی سادھو' اور کہیں وہ 'کہیں کبیر سنو بھائی سنتو' کہتے ہیں۔ اُن کے ہاں سنت اور سادھو ایک ہی مانے گئے ہیں۔ سنت اور سادھو کے درمیان رادھا سوامی مت نے فرق پیدا کیا ہے۔ وہ سادھو اُن کو کہتے ہیں جو ابھی سادھن اوستھا سے اُونچے نہیں چڑھے اور سنت کا خطاب اُن شخصیتوں کو دیا گیا ہے جو مکمل اور پری پورن ہو گئے ہیں۔

اوّل ست سنگی جو معمولی ابتدائی منزل میں ہیں اور نام کے لئے سنت مت میں داخل ہو کر رُوحانی زندگی بسر کرنے کی ابتدا کی ہے اور سُمرن بھجن دھیان کی تبلیغی ہدایات کی طرف کچھ کچھ توجہ کرتے ہیں مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اُن کی تبلیغی عبادت سہس دَل کنول کے چکر میں ہوتی ہے۔ سادھو وہ ہیں جو اس چکر سے اونچے چڑھ گئے ہیں اور ترکُٹی استھان پر پہنچ کر 'برہمہ'، 'برنو' یا 'ادم' کے مقام تک رسائی پیدا کر لی ہے اور اپنی ورتیوں کو برہما کار بنا کر برہمہ پد کو سکھ بھوگنے لگے ہیں۔

اِن سے اونچے سُن اور مہا سُن مقامات ہیں جن میں سُرت نیا کار ورتی ہو کر شونیہ پد کا ساکشاتکار کراتی ہوئی سُن سمادھی کا رس لیتی ہے۔ اِن درجوں پر چڑھتے ہوئے جیو ہنس

بلاتے ہیں اور چونکہ دسویں دُوار کا تالا کھل گیا تو اُن کے ہاتھ میں آ گیا ہے یا وہ اس سے اوپر آ گئے ہیں اور یہ سار، اسار کی سمجھ رکھتے ہوئے سار کو گرہن کرتے اور اسار کو چھوڑ دیتے ہیں۔ شاستروں میں ہنس کا رُوپ یہی بتایا گیا ہے کہ ملے ہوئے دُودھ اور پانی میں سے وہ دُودھ کو پی لیتے ہیں مگر پانی کو ترک کر دیتے ہیں۔ اِن ابھیاسیوں میں تمیزی یعنی بودھی طاقت بہت بڑھ جاتی ہے اور جسمانی اور نفسانی لذات سے اُن کو کام نہیں رہتا اور وہ ساتھ ساتھ انسانی بیوہار کرتے ہوئے نیکی سے باتعلق اور بدی سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔

آگے چل کر جب وہ سنکلپ اور نروکلپ دونوں قسم کی سمادھیوں کا آنند بھوگ کر جب ہمہ گیتا اور ست پد کے باسی ہونے لگتے ہیں تو انھیں کا نام پرم ہنس ہو جاتا ہے جن کی وضع طرح بچوں جیسی بن جاتی ہے، جو سنک سنندن اور سنت کمار وغیرہ رشیوں کا آدرش ہے۔ یہ حال میں جیون مُکت دشا کی اوستھا ہے۔ ست لوک کا کچھ ساکشاتکار تو ہو گیا مگر پراربدھ کے کرم کٹ رہے ہیں اور آگے کے لئے کرموں کا کوئی سنسکار نہیں رہتا بلکہ جو کرم اس حالت میں کئے جاتے ہیں، خواہش اور واسنا کے نہ رہنے کی وجہ سے اُن کا سنسکار خود بخود دگدھ ہوتا جاتا ہے اور جب کرم کے پھل کا خطرہ دُور ہو گیا تو اب جنم مرن کا بھی خوف جاتا رہا۔

اِن سے اونچے جو لوگ، الکھ، اگم اور رادھا سوامی استھانوں تک چڑھتے ہیں وہ سنت اور پرم سنت کا نام پاتے ہیں۔ سنت اور پرم سنت کہنے ہی کے لئے مختلف الفاظ ہیں اُن کے درمیان فرق نہیں مانا جاتا۔ یا یوں سمجھو کہ ست لوک تک رسیدہ رُوح کو سنت کہتے ہیں۔ اور اس سے آگے والے کو پرم سنت بولتے ہیں۔ یہ پانچ طرح کی تمیزہ صورتیں سمجھانے سمجھانے کے لئے رادھا سوامی مت میں گھڑی گئی ہیں۔

(۱) ست سنگی (۲) سادھو (۳) ہنس
(۴) پرم ہنس (۵) سنت یا پرم سنت

یہ سب الفاظ کبیر صاحب کی بانی میں آتے ہیں۔ مگر ان کی اس طرح صراحت نہیں کی گئی ہے۔ کبیر صاحب کے کلام میں یہ سب قریب قریب ہم معنی اور مُرادف مانے گئے ہیں جس کی وجہ سے اِن کے درمیان بہت فرق نہیں مانا گیا۔

ان لفظوں کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کبیر صاحب کی بانی میں مقامات کا ذکر نہیں کبیر صاحب آدِ سنت کہلاتے ہیں! وہ سنت مت کے نقطہ نگاہ سے اس طریق کے پیشوا ہادی اور سب سے اول رہبر تسلیم کئے گئے ہیں۔ خود ست پُرش رادھا سوامی صاحب نے بھی کبیر صاحب کی بانی کو گورو بانی کا خطاب دیا ہے صفحہ ۸۰۹ میں مقامات کی صراحت فرمائی پُورن پُورش پُورن دھنی نے اس طرح فرمایا ہے:-

جو من میں پرتیت نہ دیکھے :: تو کبیر گورو بانی پیکھے
تُلسی صاحب کا مت سوئی :: پلٹو جگ جیون کہیں سوئی
ان سنتن کا دُوں پرمانا :: ان کی بانی ساکھ بکھانا

جہاں تک تحقیقات اور تفتیش (شہادت) کا تعلق ہے کبیر صاحب سے پہلے یہ مقامی اور اسما اصطلاحات اور کسی بزرگ نے استعمال نہیں کئے۔ اس وجہ سے کبیر صاحب کی سب میں خاص کی عزت اور حیثیت ہے۔ بعد کو جتنے سنت ہوئے ہیں سب نے انہیں کی تقلید اور تتبع کی یہ بات ہم اس وجہ سے یہاں لکھ رہے ہیں تاکہ بتنھائی وسیع دل اور غیر متعصب ہو کر کسی سنت سادھو یا مہاتما کے متعلق ناشائستہ کلمے نہ استعمال کریں۔ اصلیت کو نظر انداز کر کے بے انصا کرنا مہاپاپ ہے۔

مقامات کی صراحت کی بابت ہم یہاں کبیر صاحب کا ایک خاص شبد عمداً نقل کر ہیں جو ہمارے بیان کا تائیدی ثبوت سمجھا جائے گا۔

رُوحانی مقامات کی تشریح

شبد

کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱) کام کرودھ مد لوبھ بسارو شیل سنتوش چھما ست دھارو
مد ماس متھیا تج ڈارو ہو گیان گھوڑے اسوار بھرم سے نیارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲) دھوتی نیتی بستی پاؤ آسن پدم جُگت سے لاؤ
کُنبھک کر ریچک چت لاؤ پہلے مُول سدھار کاج پھر سارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۳) مُول کمل دَل چتُر بکھانو کلنگ جاپ لال رنگ مانو
دیو گنیش تہاں رُوپا تھانو ردھی سدھی چنور ڈھلارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۴) اندری چکر کھٹ دَل وِستارو برہما ساوتری رُوپ نہارو
اُلٹ ناگنی کا سر مارو تہاں شبد اونکارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۵) نابھی اشٹ کمل دَل ساجا سیت سنگھاسن وشنو براجا
ہرنگ جاپ تاسو مکھ گاجا لچھمی شِو آدھارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۶) دوادش کمل ہردے کے بائیں گوری شِو جہاں دھیان لگائیں
سوہنگ شبد تہاں دھن چھائیں گن کریں جے جے کارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۷) دو دَل کمل کنٹھ کے ماہیں تیہی مدھ بسے اودیا مائی
ہری ہر برہما چنور ڈھلائی جہاں شٹنگ نام اُچارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۸) تا پر کنج کمل ہے بھائی بگسا بھونرا دو رُوپ لکھائی
نج من کرت تہاں ٹھکرائی سو نینن پچھوارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۹) کملن بھید کیا بِزوارا یہہ سب رچنا پنڈ منجھارا
ست سنگ کر ستگورو سر دھارا وہ ست نام اُچارا ہے

کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۰) آنکھ ناک مُنہ بند کراؤ انہد جھنگا شبد سُناؤ
دونو تِل یک تار ملاؤ تب دیکھو گلزارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۱) چند سُور ایکے گھر لاؤ سُکھمن سیتی دھیان لگاؤ
ترِبینی کے سندھ سماؤ بھنور اُتر چل پارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۲) گھنٹا شنکھ سُنو دُھن دوئی سہس کمل دَل جگمگ ہوئی
تا مدھ کرتا نرکھو سوئی بنک نال دھس پارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۳) ڈاکنی ساکنی بہو کلکارے جم کنکر دھرم دُوت ہکارے
ست نام سُن بھاگے سارے ستگور نام اُچارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۴) گگن منڈل بیچ اُردھ مُکھ کوئیا گورمکھ سادھو بھربھر پییا
نگورے پیاس مرے کیا کیا جاکے ہئے اندھیارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۵) ترکُٹی محل میں ودیا سارا گھن گرجیں بجیں نگارا
لاکھ برن سُورج اُجیارا چتر کمل اونکارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۶) سادھ سوئی جن یہ گڈھ لینہا نو دروازے پرگٹ چینہا
دسواں کھول جائے جِت دینہا جہاں قفل رہا مارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۷) آگے سیت سُن ہے بھائی مان سرووَر بیٹھو نھائی

ہنس مل ہنسا ہوئے جائی ملے جو امی اہارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۸) کنگری سارنگ بجے ستارا اچھر برہمہ سُن دربارا
دوادس بھانو ہنس اُجیارا کھٹ دَل کمل ررنکارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۱۹) مہاسُن سندھ بشمی گھاٹی بن ستگور پاوے نہیں باٹی
بیاگھر سنگھ سرپ بہو کاٹی سہج اَچنت پسارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۰) اَشٹ دَل کمل پار برہمہ بھائی دہنے دوادس اچنت رہائی
بائیں دس دَل سہج سمائی یوں کملن نروارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۱) پانچ برہمہ پانچوں انڈ بینو پانچ برہمہ نہہ اچھر چینھو
چار مقام گپت تہاں کینو مدھیہ بندی دان دربارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۲) دو پربت کی سندھی نہارو بھنور گپھا تے سنت پکارو
ہنسا کرتے کیل اپارو تہاں گورون دربارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۳) سہس اٹھاسی دیپ رچائے ہیرے پنے محل جڑائے
مُرلی بجت اکھنڈ سدائے سوہنگ دُھن جھنکارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۴) سوہنگ حد تجی جب بھائی ست لوک میں پَن چل آئی
اُٹھت سوہنگ مہادکھائی جاکا وار نہ پارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

(۲۵) کھوڈس بھانو ہنس کے رُوپا بینا ست دھن بجے پُونیتا
ہنسا کرت چنور ہر بھُوپا ست پُرش دربارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۲۶) کوٹن بھانو اُدے جب ہوئی اے تے ہی پُن چندر کھلوئی
پُرش روم سم ایک نہ ہوئی ایسا پُرش دیدارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۲۷) آگے الکھ لوک ہے بھائی الکھ پُرش کی تہاں ٹھکرائی
اربن سُور روم سم نائیں ایسا الکھ نہارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۲۸) تا پر اگم محل یک ساجا اگم پُرش تاہی کو راجا
کھربن سُور روم یک لاجا ایسا اگم اپارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۲۹) تا پر اکہہ لوک ہے بھائی پُرش انامی تہاں رہائی
جو پہنچے جانیں گے واہی کہن سُنن سے نیارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۳۰) کایا بھید کیا نردارا یہ سب رچنا پنڈ منجھارا
مایا اوگنت جال پسارا سو کاریگر بھارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۳۱) آدی مایا کینی چتورائی جھوٹی بازی سانچ دکھائی
اوگت رچن رچی پنڈ ماہیں تاکا پرتی بمب ڈارا ہے
کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے
(۳۲) شبد ہنگم چال ہماری کہے کبیر ستگور دئی تاری
کھلے کپاٹ شبد جھنکاری پنڈ انڈ پار دیس ہمارا ہے

کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

یہ مقامات کبیر صاحب ہی نے پہلے پرگٹ کئے ہیں۔ جی میں تو آتا ہے کہ ان کو صاف صاف کھول کر سائنس اور حکمت کے موافق تشریح کردی جائے مگر طوالت ہو جائے گی اور پڑھنے والے گھبرا جائیں گے۔ اِس لئے عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ ست سنگ میں خود بخود اس کا نرنے کردیا جاتا ہے۔ یہ ایک شبد بطور خود ایک کتاب ہے۔ کوئی یہ کبھی نہ سمجھے کہ کبیر صاحب کی بانی میں مقامات کا ذکر نہیں ہے ایسا سمجھنا غلطی ہوگی۔ ہاں اُن کے لکھے گرنتھ بیجک میں ان کی تفصیل بے شک نہیں آتی۔ یہ علم سینہ ہے اور سینہ بہ سینہ آیا ہُوا ہے اور رادھا سوامی مت میں بھی یہ سینہ بسینہ ہی دیا جاتا ہے رادھا سوامی مت نے برخلاف اوروں کے اپنے مت کو سنت مت کا نام دیا ہے جو سب کے لئے عام اور مشترک ہے۔ اوروں نے اپنے اپنے نام سے پنتھ چلایا اور وہ اُسی نام سے مشہور ہیں۔ حالانکہ یہ سب کے سب بلا کسی فرق کے سنت مت ہی ہیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کبیر صاحب کے تلقین کئے ہوئے اُصول کی پیروی نہ کرتا ہو یا اُن کی بانی کو عزت اور تعظیم سے نہ پڑھتا ہو۔ ان میں سے ہم یہاں کسی کسی کے نام نیچے دیتے ہیں۔ ہم کو خود اب تک تمام سنت متوں کے ناموں کی فہرست نہیں ملی جس کی وجہ سے ہماری فہرست غیر مکمل رہ جاتی ہے۔ اُس کے لئے ہم پہلے ہی سے معذرت کرتے ہیں تاکہ کوئی ہم کو بُرا بھلا نہ کہے ان میں سے قریب قریب سب کا تذکرہ ہماری مشہور ضخیم کتاب سُرت شبد یوگ کلپدرم میں آگیا ہے جس کو جاننے کی خواہش ہو وہ اُس کتاب کا مطالعہ کرے۔

کبیر پنتھ کی شاکھائیں

(۱) کبیر پنتھ (آدی سنت مت)، (۲) نانک پنتھ گورو نانک صاحب کا چلایا ہُوا (۳) اُداسی پنتھ (شری چند صاحب کا) (۴) دادو پنتھ دادو صاحب کا (۵) وشنوی پنتھ جھبو رشی صاحب کا (۶) سادھ یا ست نامی پنتھ بیربھان صاحب کا (۷) ست نامی پنتھ جگ جیون صاحب کا (۸) گلاب داسی پنتھ گلاب داس صاحب کا (۹) غریب داسی پنتھ غریب داس جی کا (۱۰)

پانپ داسی پنتھ پانپ داس جی کا (۱۱) چرن داسی پنتھ چرن داس جی کا (۱۲) دریا پنتھ بہار کے دریا صاحب کا (۱۳) دریا پنتھ راجپوتانہ کے دریا صاحب کا (۱۴) یاری پنتھ یاری صاحب (دہلی) (۱۵) گھیسا پنتھ گھیسا صاحب دہلی کا (۱۶) سِکھ پنتھ گورُو گوبند سنگھ جی کا (۱۷) نِرملا پنتھ گورُو گوبند سنگھ جی کا (۱۸) ست نامی پنتھ تلسی صاحب ہاتھرس والے کا (۱۹) رادھا سوامی پنتھ حضور رائے شالگرام صاحب بہادُر (آگرہ) کا (۲۰) نام دیوی پنتھ نام دیو جی کا (۲۱) پیپا پنتھ پیپا جی (۲۲) ریداسی پنتھ ریداس جی کا (۲۳) دھنّا پنتھ دھنّا جی جاٹ کا (۲۴) سینا پنتھ سینا جی نائی کا (۲۵) دُولمی پنتھ دُولم داس جی کا (۲۶) بُلّا پنتھ بُلّا صاحب کا (۲۷) گُلال پنتھ گُلال جی کا (۲۸) نِرنجنی پنتھ نیپٹ نِرنجن جی کا (۲۹) درویشی پنتھ دین درویش صاحب کا (۳۰) نارینی پنتھ شیونارائن صاحب کا (۳۱) بِندرابنی پنتھ بِندرابن صاحب کا (۳۲) گنیش پنتھ گنیش جی کا (۳۳) جاگو پنتھ جگو جی (۳۴) سُرت پنتھ سُرت گوپال جی کا (۳۵) مُول نِرنجن پنتھ مُول نِرنجن جی کا (۳۶) ٹکساری پنتھ اُڑیسہ کا (۳۷) بھگوان پنتھ بھگوان جی کا (۳۸) کمال پنتھ کمال جی کا (۳۹) کمالی پنتھ کمالی جی کا (۴۰) رام کبیر پنتھ (۴۱) پریم پنتھ (۴۲) جیوا پنتھ جیوا تنتوا جی کا (۴۳) دیوی پنتھ دیوی بابا جی کا مُرادآباد

اِن کے سوا سنت مت کی بے شمار شاخیں ہیں یا ممکن ہے کہ ان میں سے ایک دو معدوم بھی ہو گئی ہوں گی۔ باقی سب موجود ہیں اور سب نے بانی کہی ہیں جو اُن کے مٹھوں میں قلمی حیثیت میں اب تک پائی جاتی ہیں۔ ہمارے سُرت شبد یوگ کلپدرم میں قریب قریب اِن سب کی بانی کے نمونے دئے گئے ہیں۔

اگر یہ سب متاولمبی اپنی اپنی حیثیت کو سمجھ لیں اور باہمی میل جول کو بڑھا کر صرف سنت مت کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کریں تو اُن کی تعداد کئی کروڑ تک پہنچے گی اور وہ گمنامی کے صدمہ سے محفوظ رہ سکیں گے۔ حضورِ معلیٰ مقدس نے اسی خیال کو مدِّ نظر رکھ کر ہر طریق کے پیروکاروں کو نہایت آزادی، سیر چشمی اور فیاضی سے سنت مت کی دعوت دی اور ہر فرقہ کے متلاشیوں نے رُجوع ہو کر اُن کے جاری کئے ہوئے چشمۂ فیض سے حصہ حاصل کیا۔ سنتوں کے درمیان بھید ماننا نادانوں کا کام ہے۔ آخر یہ ہیں تو ایک ہی۔ سب کا اُصول ایک ہے اور جب اُصول ایک ہے تو پھر لڑنے جھگڑنے یا بھید واد کے سلسلہ کے قایم کرنے کی ضرورت کب ہے! سخت گمراہ ہیں

وہ لوگ جو ناحق سنتوں کی نندیا کرتے ہوئے باہمی ناچاقی اور نااتفاقی پھیلاتے ہیں! ہماری ہمیشہ سے یہی کوشش ہے کہ یہ سب مل جُل کر رہیں، سنت مت کا ست سنگ کریں اور اپنے اُصول سے باخبر ہوں۔ اُس وقت جُزوی تفرقات خود بخود زائل ہو جائیں گے اور ہر فرقہ کا آدمی اپنے دعویٰ کو بے خوفی سے پیش کر سکے گا اور اپنا حق جتا سکے گا۔ حضورِ معلیٰ آشیرباد دیں کہ یہ تمام بھُولے ہوئے بھائی جو ایک ہی تھیلے کے منتشر چٹّے بٹّے ہیں مل کر رہیں اور سنت مت کے سچے سیوک اور خادم بنیں!

اِن کے سوا کبیر صاحب کے مت سے نکلے ہوئے کئی مُسلمان فرقے بھی ہیں جو گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے۔

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب کبیر صاحب کا مت موجود ہے تو پھر رادھا سوامی مت کے جاری ہونے کی ضرورت کیا تھی! اُس کا کسی کو کیا جواب دیا جائے! صرف یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اگر رادھا سوامی مت نہ پرگٹ ہوتا تو پھر سنت مت کی وضاحت کا سامان دُنیا میں کیسے آتا! اور آج کسی کو خبر کیسے ہوتی کہ سنت مت یہ چیز ہے۔ سب ہی تو بھُولے ہوئے تھے سب ہی کو سنت مت کے اُصول سے بے خبری تھی اور وہ شرم و حجاب کی وجہ سے اپنا نام تک عوام میں ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اب سنت مت کی اِس سلسلہ میں خوب خوب تشریح کی جاتی ہے۔ اِس کا فلسفہ تک مکمل کر دیا گیا ہے۔ جو باتیں پہلے شبد اور ساکھیوں کے رُوپ میں گُپت تھیں اب اُنھیں کھول کھول کر جتا دیا گیا ہے۔ رادھا سوامی مت کے ظہور سے پہلے کون شخص سُرت شبد یوگ کا سادھن کرتا تھا؟ کسے معلوم تھا کہ شبد یوگ کوئی چیز ہے؟ اب اُس پر روشنی ڈالی گئی اور سب اِس سلسلہ کے زیرِ اثر آ کر کھنچنے لگے! یہ قدرتی نظام ہے۔

کلجگ میں سوامی دیا بچاری ⁂ پرگٹ کر کے شبد پکاری
جیو کاج سوامی جگ میں آئے ⁂ بھوساگر سے پار لگائے
تین چھوڑ چوتھا پد دینھا ⁂ ست نام ستگور گتی چینھا

وہ وقت اور تھا۔ خود کبیر صاحب نے بھید کے چھپا رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اُن کی بانی ہے:-

دھرم داس تو ہی لاکھ دوہائی ⁂ سار بھید باہر نہیں جائی

اب اس کے چھپا رکھنے کا وقت نہیں رہا۔ جیوٗ کثرت سے اُدھکاری ہو گئے۔ اُس وقت یہ کیفیت نہیں تھی۔ کبیر پنتھی لاکھ ڈینگ مارتے رہیں وہ بھید کو چھپاتے چھپاتے بالکل ناواقف بن گئے۔ اب حضورِ معلیٰ کے طفیل وہ عام طور پر کھولا گیا ہے اور کھولا جا رہا ہے۔ کبیر پنتھی خود اس قدر غافل، گمراہ اور ناواقف ہو گئے تھے کہ مُول رمینی کا پاٹ تو کر لیتے تھے مگر بتانے سے اُنھیں عار تھا۔ کسی کو سمجھانا بُجھانا تو درکنار رہا۔ بیجک پانچ سو برس سے سربستہ، سربمہر اور مقفل کتاب بنی ہوئی تھی۔ کوئی شخص نہ اُس کی تشریح کر سکتا تھا۔ نہ اُس کے راز کو جانتا تھا اب حضور کی دیا سے ہم نے پہلی مرتبہ اُس کا ترجمہ اور ٹیکا کر دیا۔ اگر ہم خود کبیر پنتھی ہوتے تو کیا کبھی ممکن تھا کہ اس آزادی سے اُس پر روشنی ڈالتے یا کبیر پنتھی ہم کو ایسا کرنے دیتے۔

بات تو وہی ہے۔ گورو کا روپ بدلا ہوا ہے اور وہ روپ خود کبیر صاحب کا ہے۔ اِس میں ہرج ہی کیا ہے!

دوسرا اعتراض جو اکثر ناواقف بھائی کرتے ہیں وہ رادھا سوامی نام پر ہے۔ اگر وہ ہمارے ست سنگ میں دو چار روز بھی بیٹھتے تو ہم اُن کو ذہن نشین کرا دیتے کہ اس میں کیا راز ہے۔ کبیر صاحب کی بانی ہے:-

کبیر دھارا اگم کی ستگور دئی لکھائے
تاہی اُلٹ سُمرن کرو سوامی سنگ ملائے

کبیر صاحب نے مختلف آدمیوں کو مختلف طور پر چتایا ہے جس کے بیان کو کبیر پنتھ نے کبیر گوشٹیوں کے نام سے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کس کس طرح پر چتانا چاہیے بیجک میں بھی تمام شبد تلمیحی اور واقعات اور روایات سے تعلق رکھتے ہیں۔ بدھ بھگوان کی طرح ان میں بھی یہ وصف تھا۔ جو شخص سامنے آیا، جو چیزیں زیرِ نظر آئیں انھیں پر اور انھیں کے آسرے اُپدیش دینا شروع کیا لیکن چونکہ شبد ہی شبد محفوظ کیے گئے ہیں اس وجہ سے پتہ نہیں چلتا کہ خاص بانی کس خاص آدمی کے لئے کہی گئی ہے۔ ہاں کبھی کبھی جہاں گورکھ وغیرہ نام آ جاتے ہیں اُن سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلام گورکھ کے لئے کہے گئے ہیں۔ گورکھ کے نام سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ خواہ مخواہ گورو گورکھ ناتھ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے بلکہ یہ زیادہ تر

ممکن ہے کہ وہ گورکھ ناتھ کے سلسلہ کا کوئی گورکھ پنتھی آچاریہ یا سادھو رہا ہو جیسے آج کل رادھا سوامی مت کے پیرو کاروں کو اکثر لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ رادھا سوامی ہے، اور علیٰ ہٰذا القیاس اور چونکہ ہر طریق کے آدمی چتائے گئے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ مذہبی خیالات کے بہت سے پہلو اُن کے کلام میں آ جاتے اور یہی وجہ اُن کے ہمہ گیر ہونے کی ہے۔

کبیر صاحب سمجھا بُجھا کر تب سادھن کی تعلیم دیتے تھے۔ سمجھانے بُجھانے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو معلم جا بجا دورہ کرتا رہے یا ادھکاری اور خواہشمند اس کے پاس آئیں اور اُس کی باتوں کو سُنیں۔ کبیر صاحب میں یہ دونوں وصف تھے۔ وہ بھی قطب کی حیثیت میں ایک جگہ قیام فرماتے تھے اور کبھی ابدالی حیثیت میں جیووں کو چتاتے پھرتے تھے۔ اس طرح کے چتانے کا نام ست سنگ ہے اور اُن کے ست سنگ میں ہر اعتقاد کے آدمیوں کی شرکت کے سبب سے ہر مذہب پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نے کلام کو ہمہ گیر بنا دیا ہے اُس وقت سے سنت مت میں مذاہب کی مشابہتی پہلوؤں کے مطالعہ کرنے کرانے کا رواج ہوا۔ جواب تک برابر چلا آتا ہے۔ کوئی شخص بھول کر یہ نہ کہے کہ مذہب فقرا میں صرف ایک ہی خیال کا مطالعہ مدِ نظر رہتا ہے نہیں۔ ست سنگ میں ویدانت، یوگ، سانکھیہ، پُوران، سمپرداٹی، شاستر وغیرہ سب پر نظر ڈالی جاتی ہے اور جو شخص تھوڑا ست سنگ کرتا رہتا ہے اگر وہ تمام و کمال نہیں تو اس ترکیب سے مذاہب کے ضروری پہلوؤں پر اُسے غور کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے اور اب تو یہ سنت مت کا خاصہ ہو گیا ہے کہ جو آدمی جس طبیعت کا ہو اُسی کے نقطۂ خیال سے اُسے سمجھا بُجھا کر سنت مت کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس گورکھ دھندے سے گھبراتے ہیں۔ اُن کی تعلیم خاص قسم کی ہوتی ہے اور جیسا اُدھکاری دیکھا جاتا ہے اُسے اُسی طرح کی تلقین کا فیض بخشا جاتا ہے اور اگر یہ بات ہے تو پھر سنت مت کے آچاریہ کا کام نہایت ذمہ داری کا فرض بن جاتا ہے اور نا واقف وہ زیادہ واقفکار نہ ہوگا ایسی اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی تعلیم سے اطمینان اور تشفی دے سکے گا اور اگر وہ واقفکار نہ ہوگا تو ممکن ہے اس کی کچھ تعلیم دلآزاری کی باعث ہو جو قطعی طور پر ممنوع ہے۔ دلآزاری نہیں بلکہ دلدہی اس کا اصول ہے۔ دلآزاری پاپ ہے۔ دلدہی اور دلجوئی دھرم ہے۔

مت اور اُس کی تاریخی اہمیت

فقیروں کے طریق کی تواریخ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے قدرتی نظام میں اُس کا اہتمام ہے اور اس لئے بسیط نظری سے دیکھنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص اُس کی ابتدا کا زمانہ مقرر نہیں کر سکتا۔ اِس کا امکان مُحال ہے۔ فقیر ہر کلپ، ہر منونتر اور ہر چتُر یُگی میں ہوتے آئے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے اور اُن کا وقتاً فوقتاً دُنیا میں ظہور نہ ہُوا کرتا تو یہ دُنیا ماتم کدہ بنی رہتی اور زندگی سے خوش نمائی اور خوش ادائی کا منظر معدوم اور مفقود رہتا۔ پرلے کے بعد خود رِشیوں ہی سے دُنیا کا سلسلہ چلتا ہے۔ منو کے ساتھ بہت رِشی رہتے ہیں اور ہر انسان کا تعلق کسی نہ کسی رِشی سے ہُوا کرتا ہے۔ جس آدمی کو جس رِشی کی تعلیم پسند آتی ہے وہ اُسی کے کُل اور گوتر کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی کچھ قدرتی نظام کا قانون سمجھا جاتا ہے اور اُس کا سبب بھی ہے۔ یہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ قدرت کا اظہار سات تتو اور سات اُصولوں کے زیرِ اثر ہُوا ہے جس کے ادھشٹاتا یہ سپت رِشی ہیں اور انھیں اُصولوں کے زیرِ اثر اور اُن کی کمی بیشی کی وجہ سے اِنسان میں مختلف المزاجی کی خُو بُو آجاتی ہے اور جو شخص جس مزاج کا ہوتا ہے وہی تعلیم اُس کے لئے خاص حالت اور خاص وقت میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ کثرت کے طبقہ میں کثرت اور اختلافات کے سوال کو نظر انداز کرنا غلطی اور غلط فہمی ہے۔ یہاں دو آدمیوں میں سے دونوں کی ایک رائے کا ہونا غیر ممکن ہے اور جب رائیں نہیں ملتیں تو ایک مذہب کا ہونا کیسی مشکل بات ہے۔ اسی خیال کو مدِ نظر رکھ کر سنت مت میں مذہبی عقائد کو مت کہتے ہیں۔ مت کے اصلی معنی رائے ہیں۔ رائے کا تعلق نقطۂ نظر اور نقطۂ خیال سے ہے۔ مت سنسکرت لفظ 'مت' سے نکلا ہے اور مت کا مادّہ یا مخرج 'من' ہے۔ مت کے معنی یاشک مُنی کے نِرُوکت نامی لُغت میں کئی ہیں مثلاً جانا ہُوا، سمجھا ہُوا، تعلیم کیا ہُوا، یقین کیا ہُوا، شردھا اور وشواس کیا ہُوا، مقصد، نیت، گیان، اُصول، رائے۔ غرضیکہ وہ سب کچھ ہے۔ اس خیال سے اب آج کل رادھا سوامی مت میں ہر مذہب کو مت ہی کہا جاتا ہے۔ مثلاً سانکھیہ مت، نیائے مت، ویدانت مت،

ویشنو مت، جین مت، بدھ مت، شاکت مت، شیو مت وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اصل میں مت ہی ہیں اور جس کا جیسا مت ہو وہ اُسی مت کے تعلقات میں اپنی دلی، دماغی عقلی اور روحانی ترقی بہ آسانی کر سکتا ہے۔ دوسرے مت کے جھمیلے میں پڑنے سے اُس کو اپنی ترقی میں دیر لگے گی۔ سپت رِشیوں کے سات مت تو ضروری ہیں۔ لیکن تاہم کسی رِشی کی اولاد میں اگر مختلف رِشی کے عقائد کا سامان نظر آئے تو اُس کو اُسی خاص رِشی سے تعلق پیدا کرنے کی آزادی حاصل ہوتی تھی اور رِشی اُسے بہ خوشی اُس کے تتبع اور پیروی کا حکم دے دیتے تھے کیونکہ اُس کا حصّہ اُسی کے پاس ہُوا کرتا تھا۔ اوروں کے ذریعہ اسے فیض کا ملنا مشکل سمجھا جاتا تھا۔ اور جب اُس نے اِس خاص معلم سے اپنا تعلق پیدا کیا تو پھر اُس کے سنسکار کی ضرورت لاحق ہوئی اور اسی نئے سنسکار کی وجہ سے اُسے دوجنما کہا جاتا تھا۔ یعنی اُس نے اپنا دوسرا جنم اختیار کیا۔ رِشیوں میں تعصب اور ہٹ دھرمی نہیں تھی۔ وہ اُصول کو سمجھتے تھے۔ اس لئے آزادی دینے میں وسیع دِلی سے کام لیتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو اُس کا نقصان ہو جاتا۔

ہر دور کی مذہبی تعلیم

ہندوؤں میں جو ہر شخص کو مذہبی آزادی کا حق حاصل ہے وہ اِسی وجہ سے ہے۔ مذہبی طور پر ہر ہندو آزاد ہے۔ چاہے وہ کسی طریق سے تعلق پیدا کرے مجلسی نظام بھی اُسے منع نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں مجلسی قانون کی رُو سے وہ قید و بند میں رہتا ہے۔ اُسے رِشی کبھی یہ حکم نہیں دیتے تھے کہ مجلسی یا قومی شیرازہ کو شکست کرے۔ مذہبی خیال کی نظر سے اُسے آزادی تھی۔ یہ خصوصیت دُنیا کی اور کسی قوم میں نہیں ہے۔ وہ مذہبی غلام ہیں۔ ہندوؤں کو اگر غلام کہا جائے تو وہ مذہبی طور پر آزاد ہیں۔ صرف مجلسی طور پر وہ غلام ہیں اور مجلسی غلامی انھیں مذہبی برکات سے محروم نہیں رکھ سکتی تھی۔ اُس کا یہ قدرتی نتیجہ ہُوا کہ مذہبی خیالات کی جس وسیع پیمانہ پر ہندوؤں میں ترقی ہوئی ہے اُس کا عشر عشیر بھی دُنیا کی کسی قوم میں نہیں ہے اور اس مذہبی تعلیم کا سلسلہ جن رِشیوں سے چلا ہے وہ فقیر تھے، مرتاض تھے، بلند خیال تھے، بلند باطن تھے اور قابلِ تعظیم

سمجھے جاتے تھے۔ رشیوں کے وقت میں تعلیم کا سلسلہ اور طرح پر تھا۔ وہ دین اور دُنیا سے آزاد رہ کر قوم کے بچوں کی خاص اُن کے مزاج کے موافق تربیت کرتے تھے۔ پہلے صرف دھیان کی تعلیم کا رواج تھا۔

اِس کے بعد یگیہ اور ہَون کے سلسلہ میں دھیان کی تربیت ہونے لگی۔ بعد ازاں رِشبھ دیو جی نے اُسے ناپسند کیا۔ یہ رِشبھ دیو منوجی کے لڑکے تھے۔ صاحبِ تخت و تاج تھے۔ ہندو ان کو وِشنو کا اوتار مانتے ہیں اور یگیہ رِشی یا یگیہ دیو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ یگیوں کے سخت مخالف تھے۔ اِس میں ایک راز ہے جسے کمتر لوگ سمجھتے ہیں۔ رِشبھ دیو سچ مچ یگیہ دیو تھے۔ اُن کے ظہور نے یگیوں کو مکمل کر دیا۔ اب اُن کی ضرورت نہیں باقی رہی۔ کیونکہ تعلیم ہمیشہ ضرورت کا سوال ہے اور اُن سے جو شق چلی اُسی سے جین مارگ کا ظہور ہوا جو اہنسا کا مارگ ہے۔ یگیہ صرف خاص وقت کا دھرم تھا۔ رِشبھ دیو نے اب پیدا ہو کر مورتی پوجا کا رواج دیا۔ اس دَور میں دھیان کی تعلیم کے سلسلہ نے مورتی پوجا کی شکل میں رواج پایا۔ یہ مورتی پوجا کی ابتدا ہے اور مابعد زمانے کے رشیوں نے جتی کی صورتوں میں مورتی پوجا کے ساتھ اہنسا کا طریق چلایا اور اہنسا پرمو دھرمہ کے اُصول کا اعلان کیا۔ مذہب کی شکل تبدیل ہو گئی۔ جتنے تیرتھنکر گزرے ہوئے وہ یہی کام کرتے رہے اور جینی اور بودھ کی شکل میں اُس اُصول کو عالمگیر ہونے کا موقع حاصل ہوا۔ بودھ اور جینی عملی اُصول کے لحاظ سے اختلافات رکھتے ہوئے ایک ہی ہیں جزوی فروعات میں فرق ہے۔ ان کا فلسفہ قابلِ مطالعہ ہے اور نظر انداز کئے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ جین دھرم اور بدھ مذہب دونوں انسان کی عالمگیر اخوت کے معلم ہیں۔ دونوں کی تربیت مورتی پوجا سے وابستہ ہے اور چونکہ مذہبی تعلیم میں اعلیٰ درجہ کی بسیط نظری اور وسیع دلی ہے اُن کا تعلق براہِ راست ویدانت سے ہے جس کی جڑ وید اور اُپنشدوں میں ہے۔ جو شخص ویدانت خیال کے عروج اور نشو نما کی تواریخ کا حقیقی علم حاصل کرنا چاہے وہ بدھ دھرم کے نوشتہ جات پر نظرِ غائر ڈالے۔ بدھ دھرم خالص ویدانت ہی ہے اور اُسی کے زیرِ اثر سوامی شنکر آچاریہ نے اپنا مت مکمل کیا ہے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی دوسری چیز ہے۔ انصاف اور صدق اور چیز ہے۔ اس کے سوا بدھ دھرم ہی وِشنو وغیرہ متوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوا ہے۔

پھر مذہب کا چوتھا دَور آیا۔ جب اس مورتی پوجا کی بھی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی کلجگ کے آچاریہ سنتوں نے پرگٹ ہو کر جیووں کو چتانا شروع کیا اور صرف نام کے ذریعہ دھیان اور مُکتی کا سادھن بتایا جو سب میں سہل اور سب میں آسان ہے۔ یہ صرف میرا ہی اپنا خیال نہیں ہے بلکہ اور مہاتما بھی ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔ مہاتما گوسوامی تلسی داس اپنی رامائن میں اس طرح لکھتے ہیں:-

دھیان پرتھم جُگ مکھ جُگ دُوجے۔ دُواپر پریتوشت پربھو پُوجے
کلی کیول اک نام ادھارا۔ شرُتی، سمرتی سنت مت سارا

یعنی پہلے ست جُگ میں صرف دھیان کیا جاتا تھا۔ دوسرے ترتیا جُگ میں یگیوں کی ضرورت تھی۔ دُواپر میں مورتی پوجا سے ایشور کو راضی کیا جاتا تھا۔ اب کلجگ میں صرف نام کا سہارا لیا جاتا ہے جو شرُتی، سمرتی اور سنت مت کا سار ہے۔

اور شروع سے لے کر آخر تک یہ کام صرف فقیروں ہی سے مربوط اور منسوب تھا۔ پہلے فقیر رِشیوں کی صورت میں تربیت کرتے تھے۔ پھر وہی جتی بنے۔ بعد ازاں مذہب کی شکل بدلنے پر وہ آچاریہ رُوپ میں سمپردائی ہو گئے اور اُن کے مختلف نام سادھو، بیراگی، بھکشو وغیرہ بنتے گئے اور ہر زمانے میں اُن کی صورتیں، طرزِ خیال، طرزِ معاشرت اور طرزِ معاش جدا گانہ تھیں۔ قوم اُن کی عزت کا دم بھرا کرتی تھی اور اتیتھی کے سنمان کو مقدم سمجھتی تھی۔ یہاں تک بودھوں کے زمانے میں قوم کی یہ صورت ہو گئی تھی کہ گرہستی اپنا مال اسباب سب مٹھوں اور وِہاروں کے سپرد کر کے فقیروں ہی کو اپنی اولاد کا معلم سمجھتے تھے اور خود آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے جس کا باقیماندہ نشان اب تک کسی قدر برہما کے ملک میں نظر آتا ہے۔ لیکن زمانے نے دوسری صورت اختیار کی۔ مایا کا حملہ جیووں پر زور شور کے ساتھ شروع ہو گیا۔ زندگی کی ضروریات بڑھ گئیں۔ اب سادھوؤں کی وہ عزت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ کبیر صاحب کے زمانے میں تو خیریت بھی تھی۔ اب اور حال ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر پرم پُرش حضور معلیٰ مقدس نے گرہستی کی صورت میں گرہست فقیر کے نمونہ کی مثال قائم کی تاکہ جیو گرہست آشرم کا دھرم پالن کرتے ہوئے فقیرانہ زندگی بسر کریں۔ یہ فقیروں کے انسٹیٹیوشن کی مختصر اور سرسری تواریخ ہے

اور صرف اتنا ہی نہیں کیا گیا بلکہ ہر قسم کے مذہبی خیالات کا معجونِ مرکب بنایا گیا تاکہ ہر شخص کو اُس سے فیضیاب ہونے کا موقع نصیب ہو اور کوئی شخص بھی جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے مذہبی برکتوں کے مفاد سے محروم نہ جائے۔ سنت مت اس نظر سے دُنیا کا عالمگیر اُصول ہے جس کی مہربانی کی نظر ہر بشر پر ہے اور ہر شخص مرد عورت بوڑھا جوان اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

عقلی زمانہ

سنتوں کے تعلیم کا زمانہ بالعموم کلجگ میں بُدھ بھگوان کے بعد آتا ہے۔ پہلے زمانے میں چاہے سنت اپنی تعلیم دیتے رہے ہوں لیکن اُن کے مت کا پرچار بودھی عہد کے بعد ہی ہوتا ہے اور بُدھ کے بعد سب سے پہلے جس سنت نے اپنا حقانی راگ الاپا ہے وہ صرف کبیر صاحب ہی تھے اور اسی وجہ سے وہ آدی سنت اور سنت ستگور وقت کے کہے جاتے ہیں۔ بُدھ سے مُراد ہے بُدھی کے ادھشٹاتا سے۔ بُدھی زور پر آجاتی ہے۔ ہر شخص بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔ ایسے آدمیوں کو حقیقت کا سمجھانا آسان کام نہیں ہے۔ سنتوں نے اِس کا بار اپنے ذمہ لیا اور جو شخص اُن کی طرف رجوع ہوا خواہ وہ کیسا ہی باخبر اور واقفکار عالم نہ رہا ہو سنت اُسے بھی چیتاونی دیتے ہیں اور ہر پہلو سے اُس کے مطمئن کرنے کا اہتمام کر دیتے ہیں۔ یہ وجہ اُن کے تمام مذہبی پہلوؤں کے زیرِ نظر رکھنے کی ہے اور یہی اُن کی تعریف ہے۔

عقل کا راستہ پیچ در پیچ ہے۔ پڑھنے لکھنے اور علمی عقلی مجادلہ و مباحثہ کے سبب سے انسانی عقل زور پر آجاتی ہے۔ اگر اُس کی تربیت نہ کی جائے تو پھر وہ گمراہ بنا دیتی ہے اور آدمی واچک گیانی ہو جاتا ہے۔ سنت پرگٹ ہو کر اُس کی اس غلطی کا علاج کرتے ہیں اور اُسے عالم ہونے پر بھی عامل ہونے کی ہدایت دیتے ہوئے سہل اور آسان طریقے سے مباحثہ انکار کرنے کی تدبیر بتا دیتے ہیں۔ کبیر صاحب نے سب سے پہلے اسی فرض کو ادا کیا ہے۔

ارتقا کے اُصول کے بموجب ہی بتدریج کھٹ درشنوں کا وجود ظہور میں آیا ہے۔

یا اب وہ اُصول خاموش ہو گیا؟ نہیں۔ جس طرح زندگی اِس قانون کے زیرِ اثر انسان میں آ کر مکمل ہوئی اُسی طرح خیال اور مذہبی خیال کو بھی تو مکمل ہونا چاہیے اور مذہبی خیال کا یہ کمال سنت مت میں دیکھا جاتا ہے جس کے بانی مبانی پرم پُرش پُورن دھنی کبیر صاحب ہیں۔ دُنیا اس وقت ہماری بات کو نہیں سمجھتی اور نہ اُس کے صحیح ماننے کے لیے تیار ہے مگر وقت آ رہا ہے جب اِسے صحیح تسلیم کرے گی اور وہ وقت قریب آ گیا ہے۔ اور آتا ہُوا معلوم ہو رہا ہے۔

ہمجنس کے ساتھ قدرتی لگاؤ

سب کہتے ہیں کہ ہم ایشور کو مانتے پُوجتے اور پیار کرتے ہیں۔ ماننا اور پُوجنا تو خیر کسی حد تک صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر پیار کرنا غلط معلوم ہوتا ہے۔ محبت اور پیار جب ہو گا ہمجنس کے ساتھ ہو گا۔ غیر جنس کو نہ آج تک کسی نے پیار کیا اور نہ اس کا امکان ہے۔ قدرت میں کہیں بھی یہ بات نہیں نظر آتی اور اگر نظر بھی آتی ہے تو وہ اُس کی صرف جزوی اور اَن سمجھی ہوئی حیثیت ہے۔ کُتّا انسان کو اور انسان کُتّے کو ظاہرا محبت کرتا ہے مگر یہ محبت نہیں ہے۔ یہ ایک دِلی لگاؤ ہے اور دِلی لگاؤ کا تو امکان ہے مگر سچی محبت کا غیر جنس میں امکان محال ہے۔ وہاں ہر وقت کھٹکا رہے گا اور اُس کی بنیاد مضبوط نہ ہو گی۔ اگر کسی کا کُتّا باؤلا ہو جائے تو پھر دیکھو انسان اُسے پیار کرتا ہے یا نہیں؟ یہی حال انسان اور غیر انسان کے متعلق بھی سمجھو۔ ایک شخص اپنی بیوی اور لڑکے کو پیار کرتا ہے۔ بیوی اور لڑکے کی موت ہو گئی اگر وہ مرنے کے بعد اپنی ہیولانی اور سوکشم شریر میں ظاہر ہوں تو وہی پیار کرنے والا اُن کو بھوت بھوت کہتا ہُوا بھاگ جائے گا اور اُن کے سایہ سے پرہیز کرے گا۔ سبب یہ ہے کہ اِن کے درمیان غیر جنسیت کا نقص واقع ہو گیا۔ انسان تو ستھول جسم والا ہے یہ سوکشم اور لطیف جسم والے ہیں۔ ستھول جسم والے کو سوکشم جسم والے کا اعتبار نہیں رہا۔ پس اگر وہ محبت بھی کرے تو کس طرح کرے؟ یہ سمجھنے اور سوچنے کی بات ہے جس کو ایک نادان بچّہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ انسان کثیف ہے۔ ایشور لطیف ہے۔ انسان جسمانی ہے۔ ایشور رُوحانی ہے۔ پس کہنے کے لئے تو ہر شخص کو زبان ملی ہوئی ہے۔ کوئی کسی کی زبان نہیں پکڑ سکتا لیکن اس قدر سمجھا سکتا ہے کہ جب تک دونوں ہمجنس نہ ہوں گے اُن کے درمیان سچی محبت کا

پیدا ہونا دشوار ہے۔ اگر ایشور اپنے جلال اور جمال کے ساتھ ابھی جیووں پر پرگٹ ہو تو پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اُس کی تجلّی کو برداشت نہ کر سکیں گے اور دوسری یہ ہے کہ آدمی خوف میں آجائے اور خوف محبت کے رشتہ کی کاٹنے والی ہے۔ یہ قدرت کا مسلّمہ اور مصدقہ اُصول ہے۔ دُنیا کے تمام مذاہب بغیر اصلیت کے سمجھے بُوجھے ہوئے اناپ شناپ گفتگو کیا کرتے ہیں۔ کوئی اُنھیں سمجھائے بھی تو کیسے سمجھائے! اور وہ سمجھنے اور رازِ حقیقت کے جاننے کے لئے تیار کب ہیں! وہ تو دھوکے اور بھرم میں پڑے ہوئے ہیں۔ دھوکے کھائے ہُوؤں کو سمجھانا آسان تو نہیں ہے۔ اِسی بھرم، دھوکا اور فریب کا نام اگیان ہے۔ اگیانی کیا سمجھے گا اور اُسے کوئی کیا سمجھائے گا۔

مُورکھ کے سمجھاونے گیان ہِردے کا جائے
کوئلا ہوئے نہ اُوجلا چاہے سَو مَن صابُن لائے

سنتوں نے اس بات کو خوب سمجھا ہے۔ سمجھ بُوجھ تو تجربہ سے آتی ہے۔ اہلِ مذہب نے سمجھنے کی خود کوشش کی تب جا کر اس مسئلہ کی کچھ جزوی سمجھ رفتہ رفتہ صدیوں کے بعد اُن کی سمجھ میں آئی۔ وِشنُوؤں میں خاص اوتار دس مانے جاتے ہیں۔ مچھ، کچھ، وراہ، نرسنگھ، وامن، پرسرام، رام، کرشن، بُدھ اور کلکی۔ روپ تو سب ہی وِشنو کے ہیں مگر سوائے رام اور کرشن کے یہ عبادت کس کی کرتے ہیں؟ مندر کن کن اوتاروں کے زیادہ بنتے اور بنائے جاتے ہیں؟ اگر اسی ایک بات کو کوئی شخص ذہن نشین کر لے تو یہ راز بہ آسانی سمجھ میں آنے لگے۔ رام اور کرشن انسان تھے۔ اِنسان کے وجود میں ظاہر ہوئے۔ ہم جنسیت کا مرحلہ آیا۔ اس وجہ سے لوگ اُن کی محبت کا دم بھرنے لگے اور بہت سی بھاؤنائیں (عقیدت کی معراجی علامات) پیدا ہوئیں اگر وہ انسان نہ ہوتے تو پھر اس قدر اُنھیں ہر دلعزیزی نہ حاصل ہوئی ہوتی۔ اسی طرح بالکل اسی قاعدہ کے موافق جینیوں کے درمیان تیرتھنکروں کا اور بودھوں کے درمیان بُدھوں کی شخصیتیں جلوہ آرا ہوئیں اور انسان کی صورت میں اُن کی پرستش کا رواج جاری ہوا۔ یہ آریوں کا سدھانت تھا۔ یہودیوں میں بھی جو غیر آریہ طریق ہے اسی اُصول کا شمول کرنا پڑا۔ حضرت مسیح جو یہودی تھے ایشور کے اوتار کے رُوپ

میں آئے اور تب مذہبی عقیدہ کو تقویت ملی۔ مُسلمان بھی اگر ذرا اپنی مذہبی روایتوں کی طرف دھیان دیں تو یہ مسئلہ دم کے دم میں طے ہو جائے۔ ہم بہ آواز بلند کہتے ہیں کہ سوائے ہم جنس کے اور کسی سے محبت نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے اگر ایشور یا خدا کو ہم سے محبت کروانا منظور ہے تو وہ آدمی کی شکل میں آئے تاکہ ہم اُس کی محبت کریں اور بہ آسانی خدا پرست بن جائیں۔ بغیر دیکھے ہوئے خدا کی پرستش صرف اندھوں کا کام ہے۔ جس معبودِ حقیقی کا ہم کو درشن تک نصیب نہیں ہوا ہم اُسے کیا پُوجیں گے اور کس طرح اُس کا عقیدہ دِل میں قایم کریں گے! بات بنانے کو تو چاہے کوئی بنایا کرے۔

مسلمانوں کی اس کمی کو دیکھ کر صوفیوں نے مُرشد پرستی کا رواج دیا اور آدم کی شکل میں وہ خدا کو پُوجنے لگے۔ مُرشد آدم صُورت ہے۔ آدم خلیفۃ الخدا ہے۔ آدم خدا کی شکل میں بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کے ابتدائی بہتر فرقوں میں سُنت الجماعت یعنی سُنی مسلمان ہی کثرت میں ہیں اور ان کے درمیان سب ہی کسی نہ کسی مرشد کے ہاتھ بیعت کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ جیسے ہندو کہتے ہیں کہ نگُورے کی مُکتی نہیں ہے ویسے ہی یہ سُنی مسلمان بھی مانتے ہیں کہ بے مُرشدے کی مغفرت نہیں ہے۔ اس انگ میں یہ اور ہندو بالکل یکساں ہیں ذرا بھی ان کے درمیان فرق نہیں ہے۔ ہاں ہندو تو صاف صاف کہتے ہیں:۔

گُورو برہما گُورو وِشنو گُورو دیوو مہیشورہ
گُورو ساکشات پر برہمہ تسمے شری گُورو وے نمہ

یعنی گُورو ہی برہما گُورو ہی وِشنو اور گُورو ہی مہیش ہیں اور گُورو ساکشات پر برہم ہیں۔ اس لئے گُورو کو نمسکار ہے مگر بیچارے مظلوم اور بے قصور صوفیوں کو نادان اہلِ شریعت والوں کے خوف سے ایسی ہمّت کبھی نہیں ہوئی کہ وہ صفائی سے حقیقت کا اعلان کرتے تاہم دبی زبان میں جو کچھ کہتے بنا وہ کہہ گئے۔ مولانا رُوم فرماتے ہیں

چونکہ کردی ذاتِ مُرشد را قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

یعنی جب کسی نے مُرشد کا دامن پکڑ لیا تو خُدا اور رسول دونوں ہی اُس کی ذات میں

آ گئے۔ فنافی الشیخ کا رتبہ خود فنافی الرسول اور فنافی اللہ ہے۔

مولوی رومی نے اور بھی بے شمار کلام اسی طرح دبی زبان میں کہے ہیں تاکہ حقیقت کے سچے طالب رجوع ہو کر اپنا کام بنائیں اور ساتھ ہی دین اور دنیا کے خطرات سے با اور مصئون رہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

مسجدے ہست اندرون اولیا ∴ سجدہ گاہ جملہ ہست آنجا خدا
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ∴ من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز ∴ من نہ گنجم این یقین داں اے عزیز
در دل مومن بگنجم ویں عجب ∴ گر مرا خواہی ازاں دلہا طلب

ترجمہ:- اولیاؤں کا دل ہی مسجد ہے خدا وہاں رہتا ہے۔ سب کو چاہیے کہ اسی کا سجدہ کریں (۲) پیغمبر نے کہا کہ خدا خود فرماتا ہے کہ میں کسی جگہ بلندی اور پستی میں نہیں رہتا (۳) آسمان زمین اور عرش میں بھی میری سکونت نہیں ہے یہ یقین کر کے سمجھ لے (۴) تعجب یہ ہے کہ میں مومنوں (یعنی اپنے بھگتوں کے دلوں میں رہتا ہوں اور اگر تجھے مجھ سے ملنے کی خواہش ہو تو اُن کے دلوں سے سوال کر اور اُن میں مجھے ڈھونڈ لے

کبیر صاحب نے بھی اسی بات کو اور لفظوں میں اس طرح بیان کیا ہے:-

من میرا پنچھی بھیا ∴ اڑ کر چلا اکاش
سورگ لوک خالی پڑا ∴ صاحب سنتن پاس

گو صوفی ڈرے ہوئے ہیں مگر پھر بھی سچی بات کہنے سے باز نہیں آتے۔ مولوی رومؒ کا ارشاد ہے:-

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا ∴ گو نشیند در حضور اولیا
اولیا اطفال حق اند اے پسر ∴ حاضری و غائبی اندر نظر
ہمنشینی ساعتے با اولیا ∴ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ:- (۱) جس کو خدا کی ہمنشینی منظور ہو اُن سے کہو کہ ولی کی خدمت میں جا کر بیٹھیں (۲) یہ اولیاء خدا کے لڑکے ہیں اور حاضر غائب اُسی کی نظر میں رہتے ہیں یعنی منظور خدا ہیں

(۳) جو شخص ایک لمحہ کے لئے ولی (گورو) کے پاس بیٹھے تو اُس کا بیٹھنا سو برس کی خالص بندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

یہ مسلمان سنیوں کا حال ہے جو صوفی پرست ہیں۔ اہل تشیعہ یعنی شیعہ مسلمان تصوف کے مخالف ہیں۔ وہ مردم پرستی کے طریق کے جانی دشمن ہیں۔ ہم اُن کی تردید نہیں کرتے لیکن اگر وہ بھی اپنی روایتوں پر غور کریں تو اُن کی سمجھ میں آ جائے گا کہ اُن کے مجتہدوں نے جب کبھی خدا کا اپنے اندر درشن کیا تو انہیں وہاں حضرت علیؓ کی صورت نظر پڑی۔ آخر حضرت علی آدمی ہی کے شکل کے تو تھے۔

الغرض کہاں تک کہا جائے۔ اصلیت پسند، حقیقت پسند اور حق پسند دنیا میں بہت کم ہیں۔ مادی عالم میں اُن کا زور ہے مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے مگر جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں سچی اور صحیح بات ہے چاہے اسے کوئی مانے یا نہ مانے۔ کہنے کا لب لباب اور خلاصہ صرف یہ ہے کہ غیر جنس سے خدا کی عبادت اور محبت غیر ممکن ہے اور قدرتی نظام میں اس کا امکان محال ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے انسان رمز پسند نہیں ہوتا اور نہ عین الیقین کا درجہ حاصل کرتا ہے۔

گورو

کئی برس ہوئے ایک پادری صاحب مسٹر احمد شاہ ہم سے کبیر صاحب کا بیجک پڑھنے آتے تھے۔ اُن کو گورو کی اہمیت ماننے میں اعتراض تھا اور ہم کو خیال ہے کہ بیجک کا جو انگریزی ترجمہ انہوں نے کیا ہے اُس میں بھی اس قسم کی نکتہ چینی کرنے سے باز نہ آئے ہوں گے۔ مگر ہم نے اُن سے اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ حضرت مسیح گورو تھے۔ گورو انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا نے کبھی گوروائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ مسیح کو خود حضرت یوحنا کو گورو دھارن کرنا پڑا تھا جنھوں نے اُن کا اصطباغ کیا تھا۔ حالانکہ وہ خود مسیح کو اپنے سے اسی طرح بہتر سمجھتے تھے جس طرح یہاں شری رامانند جی مہاراج کبیر صاحب کے متعلق عقیدہ رکھتے تھے مگر کیا کیا جائے یہ لوگ غلط واہمہ کے شکار ہو رہے ہیں۔ ست سنگ اِن کو میسر نہیں ہے۔ مذہب کے اصل اصول سے انہیں خبر نہیں ہوتی اور نہ نگاہ اونچی ہوتی ہے۔ اگر یہ صرف ایک مہینہ بھی سنتوں

کی صحبت اختیار کرلیں تو انھیں سچے اسلام اور سچی مسیحیت کی خبر ہو جائے۔ بغیر سنتوں کا سہارا لیے ہوئے یہ معمہ ان سب کے لئے ہمیشہ کے واسطے رازِ سربستہ رہے گا۔

ایک شبہہ

اِن سطروں کو پڑھ کر لوگوں کے دلوں میں کئی قسم کے شبہے پیدا ہوں گے۔ ایک شبہہ تو یہ ہوگا کہ سنت مت، خدا پرست نہیں ہے، یہ سخت غلطی ہے۔ اگر دُنیا میں کوئی مذہب ایسا ہے جو سچا خدا پرست ہے تو وہ صرف سنتوں ہی کا ہے بشرطیکہ کوئی شخص سچے اور غیر متعصب دل سے اُس کے سمجھنے کی کوشش کرے۔ سنت مت میں اناپ شناپ اشیوروں کی بھکتی بے شک نہیں کرائی جاتی۔ پہلے گورو دوارا مجاہدہ کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ مجاہدہ کرنے سے جب ستھول انگ ڈھیلا ہو کر سوکشم بنے تب اپنے ہی اندر لطیف خدا کا درشن نصیب ہو لطیف لطیف میں ہمجنسیت پیدا ہوگی۔ غیر جنسیت کا خطرہ جاتا رہے گا اور تب دونوں کے درمیان محبت کے رشتہ کی بنیاد پڑ سکے گی۔ اس کے بغیر ہزار کوئی برسوں کمایا کرے مگر اس سے زندگی میں تبدیلی نہ آئے گی۔ عمریں برباد ہو جائیں گی۔ کچھ کرو تب کمائی کا پھل ملے کمائی تو اندر ہی کرائی جاتی ہے اور اُسی کمائی کے لئے باہری گورو کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ وہ اندر ہے۔ اندر ہی ملے گا۔ سنت مت کسی کو مورت تیرتھ ورت اور جپ تپ میں نہیں پھنساتا۔ سب کو اپنے ہی اندر ڈھونڈنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ بھی مندر مسجد اور گرجا کے جھمیلوں میں پھنسایا کرتا۔

دُوسرا شبہہ

دُوسرا شبہہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تو دیاپک کی پوجا نہیں ہوئی، محدود کی پوجا ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محدود طبقہ میں محدودیت کے سہارے چل کر غیر محدود کا گیان پراپت کیا جاتا ہے۔ تم تھوڑی آگ سے گرمی لیتے ہو یا محیط کُل آگ سے؟ تم تھوڑا پانی پیتے ہو یا محیط کُل پانی کو اپنے اندر رکھ لیتے ہو! جیسے ہو اُسی طرح کا بیوہار کرو تب تو کچھ تمہارے ہاتھ

آئے گا اور اگر باتیں بناتے ہو تو بنایا کرو۔ اس سے ہوتا کیا ہے! جو لوگ دیاپک یا محیط کُل اُصول کی اُپاسنا اور دھیان کرتے ہیں ذرا اُن سے پوچھو تو سہی کہ دیاپک کا دھیان کیسے کرتے ہو! زیادہ سے زیادہ سمندر یا آکاش کا دھیان کروگے مگر سمندر اور آکاش بھی تو دونوں محدود ہیں اوّل تو آکاش کا دھیان ہی نہ بنے گا کیونکہ اُس کا آکار آنکھوں میں آتا نہیں۔ دوسرے وہ بالکل بے سُود ثابت ہوگا۔ رُوحانی جذبات کے اُبھارنے میں کبھی مددگار نہ ہوگا دیاپک شکتی نے آج تک کسی کی مدد نہیں کی۔ چاندنی میں چور چوری کرتا ہے۔ جُواری جُوا کھیلتے ہیں۔ چاندنی اُنھیں منع تو نہیں کرتی۔ منع کرنے والی طاقت تو صرف گورو ہی ہے اور جس طرح بیوہار میں جزویات کے اُصول سے تعلق رہتا ہے ویسے ہی پرمارتھ کی ابتدائی منزل میں بھی اُس سے کام لینا پڑے گا ہاں جب ترقی ہو جائے گی اُس وقت کی نسبت کچھ نہیں کہا جاتا۔ جُز کو دیکھ کر کُل کا تصور ہوتا ہے اور تب کُل کے ساتھ ہم آہنگی کی جاتی ہے۔

گورو کے سمجھنے میں سب غلطی کر رہے ہیں۔ خود سنت مت کے کثیف مزاج معتقدوں میں یہ غلطی ہو رہی ہے۔ وہ شخصیت کو گورو مان بیٹھتے ہیں۔ گورو تو اشٹ، آدرش اور معراج کا نام ہے جو تمہارے اندر ہے۔ جو گورو کو آدمی سمجھ کر پوجتا ہے اُس کو صرف اِنسانی فیض ملے گا رُوحانی فیضان سے وہ محروم رہے گا۔ کبیر صاحب کی بانی ہے:-

گورو کو مانش جانتے تے نر کہئے اندھ
ہوئیں دُکھی سنسار میں آگے جم کو پھند
گورو کو مانش جانتے چرنا مرت کو پان
تے نر نرکے جائیں گے جنم جنم ہوئے شوان
گورو کیا ہے دیہہ کو ستگورو چینھا ناہہ
بھو ساگر کی دھار میں پھر پھر غوطے کھانہہ

خود کبیر صاحب کے سامنے اِس قسم کے اعتراض بہت کئے جا چکے ہیں۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

سوال
گورو تمہارا کہاں ہے چیلا کہاں رہائے؟
کیہی بدھی سے ملنا بھیا کیسے چھوٹے جائے؟

جواب۔ گورو ہمارا گگن میں　چیلا ہے گھٹ ما نہہ
سرت شبد میلا بھیا　بچھڑت کبھوں نا نہہ

موجودہ زمانہ کی گوروائی کو ہم بھی قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں اور جیسا ہم پہلے کہہ آئے ہیں وہ گوروائی نہیں ہے۔ صرف دوکانداری ہے۔ جہاں آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے جاکر اپنا مال متاع گنوا آتے ہیں اور نفسانیت اور جسمانیت مول لاتے ہیں۔
یہ گورو نہیں ہے سانگی ہے۔ گورو کا سانگ پہن رکھا ہے اور کچھ نہیں سوجھی تو یہی روزگار چلا بیٹھا۔

گورو گورو میں بھید ہے　گورو گورو میں بھاو
سوئی گورو نت بندیئے　جو شبد بتاوے داو
پورا ستگور نا ملا　سُنی ادھوری سیکھ
سانگ جتی کا پہن کر　گھر گھر مانگی بھیکھ
پورا ستگور نا ملا　سُنی ادھوری سیکھ
نکسا تھا ہری ملن کو　بیچ ہی کھایا بھیکھ

گورو کو تلاش کیجئے اگر جھوٹے گورو سے تعلق ہے تو فوراً اُس کا ترک کر دینا لازم ہے ورنہ اندھا گورو بہرا چیلا دونوں نرک میں ڈھکیلم ڈھکیلا، کا مصداق ہونا پڑے گا۔ کبیر صاحب کی بانی ہے:۔

(۱) جا گورو تے بھرم نا مٹے　بھرانتی چت نہیں جاے
سو گورو جھوٹا جانیئے　تیاگت دیر نہ لاے
(۲) جھوٹے گورو کی پکش کو　تجت نہ کیجے بار
دوار نہ پاوے شبد کا　بھٹکے بار مبار
(۳) ساچے گورو کے پکش میں　من کو دے ٹھہرائے
چنچل تے نشچل بھیا　نہیں آوے نہیں جاے
(۴) کن پھونکا گورو حد کا　بیحد کا گورو اور
بیحد کا گورو جب ملے　تو لگے ٹھکانا ٹھور

افسوس! کہاں تک کہا جائے۔ کوئی بھی تو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کوئی گورو نہ ہونے [کا بہا]نہ کرکے مورتوں میں اٹکتے ہیں۔ کوئی گرنتھوں کے پیچ میں لٹکتے ہیں۔ نہ انبھو بڑھتا ہے [نہ ا]ندر کی آنکھ کھلتی ہے۔ اس قدر تجربہ کرنے پر بھی اپنی بہتری اور بدتری کا علم نہیں ہوتا۔

(۱) جا گورو کو گورو گم نہیں　پاکھنڈ دیا بتاے
پار نہ پہنچیا شِشو　بھو میں بھٹکا کھاے
(۲) گورو نام ہے گیان کا　شِشیہ سیکھ لے سوے
بن پد بن مرجاد نر　گورو شِشیہ نہیں کوے
(۳) گھر میں گھر دکھلائے دے　سو گورو چتر سُجان
پانچ شبد دھنکار دُھن　باجے شبد نشان
(۴) گورو سقلی گر کیجئے　گیان مصقلا دے
من کا میل چھڑائے کر　چت درپن کر لے
(۵) گورو تن چندا اوگویں　سورج کوٹ ہزار
ستگور بلیا باہرا　دیسے گھور اندھار
(۶) ایسا کوئی نا ملا　جا سوں رہیئے لاگ
سب جگ جلتا دیکھیا　اپنی اپنی آگ
(۷) ایسے تو ستگور ملے　جن سے رہیئے لاگ
سب ہی جگ سیتل بھیا　جب ملی آپنی آگ
(۸) یہ تن بِش کی بیلری　گورو امرت کی کھان
سیس دیئے جو گورو ملیں　تو بھی سستا جان
(۹) گورو بتادیں سادھ کو　سادھ کہیں گورو پوج
ارس پرس کے میل سے　بھئی اگم کی سوجھ
(۱۰) جا کھوجت برہما تھکے　سُر نر مُنی دیوا
کہیں کبیر سُن سادھوا　کر ستگور سیوا

(۱۱) گوُرو ملا تب جانئے مٹے موہ تن تاپ
ہرش شوک بٹاپے نہیں تب گورو آپے آپ
(۱۲) نادی بندی بھُو ملے کرت کلیجے چھیب
کوئی تخت تلے کا نا ملا جاسے پُوچھوں بھیب
(۱۳) تخت تلے کی سو کہے جو تخت تلے کا ہوئے
منجھ محل کی کو کہے پردا گاڑھا سوئے
(۱۴) منجھ محل کی گورو کہیں دیکھا جن گھر بار
بنی دینی ہاتھ کر پردا دیا اُگھار
(۱۵) پر گھٹ کہوں تو ماریا پردہ لکھے نہ کوئے
سوُنہا چھُپا پیال میں کہو کہہ بیری ہوئے
(۱۶) وستو کہیں ڈھونڈھے کہیں کیہی بدھی آوے ہاتھ
کہیں کبیر تب پائیے جب بھیدی لیجے ساتھ
(۱۷) بھیدی لیا ساتھ کر دینا وستو لکھائے
کوٹ جنم کا پنتھ تھا پل میں پہنچا جائے
(۱۸) گھٹ کا پردہ کھول کر سنمکھ لے دیدار
بال سنیہی سائیاں آدی انت کا یار

ایسے گوُرو اگر خوش قسمتی سے مل جائیں تو پھر اُس کے نصیب کا کیا ٹھکانا ہے! چلو۔ جلدی نہ کرو۔ اگر دل میں سچی خواہش ہے تو کبھی نہ کبھی وہ پوری ہو کر رہے گی کو بگڑنے نہ دو۔ اِس قسم کے گورو دُور رہ کر بھی اپنی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اِس کی فکر ست سنگ پر اِیت نہیں ہُوا ہے۔ صرف ابھیاس بھجن اور سمرن میں لگے رہو اندر نہ کسی طرح وہ تمھیں چِتاتے رہیں گے۔ بانی کہتی ہے۔

(۱) گوُرو کی اگیا آوئی گوُرو کی اگیا جائے
کہیں کبیر سو سنت جن آواگون نسائے

(۲) لاکھ کوس جو گوُرو بسیں دیجے سُرت پٹھائے
شبد تُری اسوار ہوئے چھن آوے چھن جائے
(۳) گوُرو جو بسیں بنارسی شِشیہ سمندر تیر
ایک پلک بسرے نہیں جو گُن ہوئے شریر
(۴) گوُرو ماتھے سے اُترے شبد بہُونا ہوئے
تا کو کال گھسیٹے ہے روک نہ سکے کوئے

صُوفی کامل مولانا روم بھی ایسی ہی صدا سُناتے ہیں:-

(۱) شیخ افغان است وے ہمت چوُ حق
با مُریداں داد بے گفتن سبق
(۲) دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ اُو جز قدرتِ اللہ نیست
(۳) مرد را دستِ دراز آمد یقیں
بر گذشت از آسمانِ ہفتمیں

ترجمہ۔ (۱) گوُرو اشیور کی طرح نراکار ہے۔ وہ بغیر زبان کھولے ہوئے چیلوں کو تعلیم دیتا ہے (۲) گوُرو کا ہاتھ غائب آدمیوں کے لئے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اُن کا ہاتھ سوائے خدا کے اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے (۳) اُن کا ہاتھ اس قدر لمبا ہے کہ سات آسمان کے اُوپر پہنچا ہُوا ہے۔

پرچے

پرچے صرف ایسے ہی گوُرو کو ملتا ہے۔ پرچے اندرونی ساکشاتکار کو کہتے ہیں۔ جب تک نہ یا پہچان نہیں دی جاتی تب تک کسی قسم کی بھکتی کا مطلق اعتبار نہیں ہوتا۔ سچے گوُرو پنی پہچان انتر میں بخشتے رہتے ہیں اور جن کو گوُرو پر دِرڑھ وشواس ہو گیا ہے سمجھ لو کہ ں پرچے مل گیا ہے اور اب وہ لاکھ کوشش کرنے پر نہ بھٹکیں گے اور نہ کسی کے میں پڑیں گے۔

(۱) پیو پرچے تب جانئے پیو سوں ہل مل ہوئے
پیو کی لالی مکھ پڑے پرگٹ دیسے سوئے (نظر آئے)
(۲) لالی میرے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہو گئی لال
(۳) کبیر من مدھوکر بھیا کرے نرنتر باس
کملا کھلا ہے نیر بن نرکھے کوئی نج داس
(۴) گھٹ میں اوگھٹ پائیا اوگھٹ ماہیں گھاٹ
کہیں کبیر پرچا بھیا گورو دکھائی باٹ
(۵) سور سمانا چاند میں دونوں مل بھئے ایک
من کا چیتا تب بھیا پورب جنم کے لیکھ
(۶) پنجر پریم پرکاسیا جاگی جوت انت
سنشئے چھوٹا سکھ بھیا ملا پیارا کنت
(۷) جھک لاگی جوگی ہوا مٹ گئی اینچا تان
الٹ سمانا آپ میں اب بھیا برہم سمان
(۸) میر مٹی مکتا بھیا ملا برہمہ کوشواس
میرے دوجا کوئی نہیں ایک تمہاری آس
(۹) جب میں تھا تب گورو نہیں اب گورو ہیں میں نا ہہ
کبیر نگری ایک میں دو راجا نہ سماہہ
(۱۰) میں جانا میں اور تھا میں نج ہو گیا سوئے
میں تیں دو او مٹ گئے رہے کہن کو دوئے
(۱۱) کوتک دیکھا دیہہ بن روی سنشی (سورج چاند) بنا اجاس
صاحب سیوا ماہیں ہے بے پرواہی داس
(۱۲) گگن منڈل کے بیچ میں بنا کمل کا چھاپ

پورش انامی رم رہا نہیں منتر رہا نہیں جاپ
(۱۳) الٹ سمانا آپ میں پرگٹی جوت انت
صاحب سیوک ایک سنگ کھیلیں سدا بسنت
(۱۴) جن پاؤں بھوئیں بہو پھرے گھومے دیس بدیس
پیا ملن جب ہوئیا آنگن ہوا بدیس
(۱۵) سنشئے کروں نہ میں ڈروں سب دکھ دئے نوار
سہج سن میں گھر کیا پایا نام ادھار
(۱۶) جن پاؤں کا پنتھ ہے بن بستی کا دیس
بنا دیہہ کا پرش ہے کہیں کبیر سندیس
(۱۷) نون گلا پانی بھیا بہر نہ بھری ہے گون
سرت شبد میلا بھیا کال رہا گہی مون
(۱۸) ہل مل کھیلوں شبد میں انتر رہی نہ ریکھ
سمجھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ
(۱۹) الکھ لکھا لالچ لگا کہت نہ آوے بین (بات)
نج من دھسا سروپ میں سنگور دیکھی سین (اشارہ)
(۲۰) کہنا تھا سو کہہ چکے اب کچھ کہا نہ جائے
ایک رہا دوجا گیا دریا لہر سمائے

چتانے کے ڈھنگ

جس طرح کبیر صاحب نے ہزاروں قسم کی بانیاں کہی ہیں ویسے ہی مختلف طریقوں سے جیودں کو چتایا بھی ہے۔ کہیں تو آپ ساکھی اور شبد گا رہے ہیں۔ کہیں مذاق اور دل لگی کر رہے ہیں۔ کہیں ایسی اوٹ پٹانگ باتیں سنا رہے ہیں جو لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے اور یہ مجبور ہو کر ان سے پوچھتے ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے اور ان کا رجوع ہونا تھا کہ انھوں نے

اُس کی تشریح کے سلسلہ میں اپنے اصلی خیالات کا پرچار بھی ساتھ ساتھ کر دیا اور کہیں اُلٹی سُلٹی باتیں کہہ کر اُن کی توجہ کا رُخ اپنی طرف کھینچ لیا۔ کوئی کہاں تک بیان کرے۔ ایک دو باتیں ہوں تو کہی جائیں۔ رُوحانی دُنیا کا یہ زبردست معلّم عجیب طرح کا دِل و دماغ لایا تھا جسے دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ انسان ہے یا فوق الانسان ہے۔

آپ کہتے ہیں:۔

ٹوٹی بُوڑے سِل اُترائے ٭ اودی کا پانی بنڈیری جائے

مطلب یہ ہے کہ سُوکھا ہُوا کدو کا تونبا ڈوب رہا ہے، پتھر کی چٹان تیرتی رہتی ہے اور اودلتی کا پانی چڑھ کر اُوپر چھت کی خاص شہتیر تک پہنچا ہے۔ اب بتاؤ کہ کوئی اِس کو سمجھے بھی تو کیسے سمجھے۔ یہ اُلٹی باتیں ہیں یا نہیں۔ سب لوگ حیرت میں آکر پُوچھنے لگے کہ اِس صدا نیے کا مطلب کیا ہے تو آپ ہنسے، فرمانے لگے، خشک کدو تو انسان کا خالی دماغ ہے جو بھو ساگر کے خیالات کے جل سے بھر کر ڈوب جاتا ہے اور وزنی پتھر سمجھدار گمبھیر آدمی ہیں جو پرماتما کے لطیف خیالات کے جذب کرنے سے لطیف ہو گئے ہیں اور اس سمندر میں تیرتے ہیں اور اس کی لہریں اُنھیں غرقاب نہیں کر سکتیں۔ اودلتی انسانی جسم کی سفلی اور نیچے کے حصّہ کی قوت ہے جو سرت شبد ابھیاس کرنے سے اُوپر انسان کے دماغ کی طرف چڑھ جاتی ہے جو بیچ پیچ جسمانی عمارت کی چھت ہے۔ بات کیسی اچھی ہے اور اس تشریح کے سلسلہ میں جب آدمی سنساری اور گیانی شخصوں کا سوبھاؤ پرکھاؤ پُوچھتا ہے اور سُرت شبد یوگ کی ترکیب پر سوال کرنے لگتا ہے تو پھر یہ پرچار کرنے لگ جاتے ہیں اور اُنھیں اپنا معتقد بنا لیتے ہیں۔

اِس قسم کی کئی اُلٹی سُلٹی باتیں کبیر صاحب کی بانی میں بھری پڑی ہیں جن کو کبیر صاحب کی بانیوں کے مطالعہ کا شوق ہے وہ کبیر بیجک اور کبیر گوڑھ شبد یا کھیا منگوا کر پڑھیں۔

ایک موقع کا ذکر ہے۔ بہت سے آدمی جمع تھے۔ وہ مختلف قسم کی باتیں کر رہے تھے انھوں نے کڑک کر آواز دی:۔

چلتی کو گاڑی کہو بنے دودھ کو کھویا
گاڑی کو اُدکھڑی کہو چلتے کو گاڑا

عجیب و غریب بات تھی۔ سُننے والے سُن کر دنگ رہ گئے۔ پوچھا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کبیر صاحب ہنسے بات تو ہم بچی سچی کہتے ہیں۔ جو چلتی ہے وہی تو گڑتی اور زمین میں دھنستی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے چلتے ہوئے چھکڑے کو گاڑی کہا جاتا ہے۔ تم بھی اگر پرمارتھ کی راہ چلتے رہو تو تمھاری ہستی کی عمارت زمین میں گڑی رہے گی اور بنیاد ہمیشہ مضبوط ہوگی لیکن اگر تم سنسار میں آکر میخ کی طرح گڑ گئے تو پھر اوکھلی کی طرح تم کو بھی اُکھڑی کہا جائے گا کیونکہ تمھاری بُنیاد مضبوط نہیں ہے۔ اوکھلی یا اُکھڑی وہ ہے جس میں لوگ مُوسل ہاتھ میں لے کر دھان کوٹتے ہیں اور جو دُنیا میں بنا ہُوا باعزت اور باآبرو آدمی نظر آئے اُسے کھویا ہُوا یعنی ضائع شدہ سمجھو۔ وہ کہیں کا نہیں رہا۔ یہی سبب ہے کہ دُنیا میں چلتی کو گاڑی، گاڑی کو اوکھلی اور بنے ہوئے دودھ کو کھوا (کھویا) کہتے ہیں۔ اِن شبدوں کے اندر یہ باریکیاں چھپی ہوئی ہیں اور پھر مزے دار سوال کئے جانے پر وہ حسب عادت پھر پرمارتھی تلقین فرمانے لگتے ہیں۔ اِس قسم کے بچن کا نام کبیر صاحب کی اُلٹوانسی ہے۔ نمونہ کے طور پر یہی ایک مثال کافی ہے۔

کبیر صاحب کے گوڑھ شبدوں کی تعداد اَن گنت ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہ صرف لوگوں کی زبان پر ہیں۔ اِن کو ایک جگہ کتاب کی صورت میں کسی نے بھی اکٹھا نہیں کیا۔ ہم سے بے شک جو کچھ ہو سکا ہم نے اُن کو کبیر بیجک وغیرہ کے صفحات میں جگہ دے دی ہے اور کیا عجب کبیر جوگ کے سلسلہ میں بھی ایسے شبد مع تشریح کے آ جائیں۔

کبیر صاحب کی عمر بہت کم تھی جب گورکھ مت کا آچاریہ بنارس میں آیا۔ وہ فقیروں کو معجزہ دکھانے کا چیلنج دیا کرتا تھا۔ رامانندجی سے بھی وہ برسرِ مقابلہ آیا۔ روائتیں کہتی ہیں کہ رامانندجی نے کبیر صاحب کو مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ کبیر صاحب نے اُسے اپنے معجزے دکھا کر شرمندہ کر دیا۔ ہم ان معجزات کو گو صحیح سمجھتے ہوں مگر چونکہ پڑھے لکھے ہوئے آدمی انھیں گپ سمجھتے ہیں اس لئے یہاں داخل کرنے سے جان بُوجھ کر درگذر کرتے ہیں۔ گورکھ اُن کی چالاکی اور قدرتی خداداد شکتی کو دیکھ کر سخت حیران رہ گیا۔ پُوچھنے لگا۔ تم ابھی بہت کم سن ہو۔ تمھاری کیا عمر ہوگی؟ آپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

(۱) جو تُو جھے سو باولا کیا عمر ہماری
ہم تو سدا معصوم ہیں کھیلیں دِن چاری
(۲) کوئی وِشنو ہو گئے اور کوٹ کنھائی
انت کوٹی شنبھو بھئے میری ایک بُلائی
(۳) کوٹی تو برہما ہوئے محمد چار یاری
دیوتن کی گنتی نہیں کیا شرشٹی بچاری
(۴) نہیں بُوڑھا نہیں بالکا نہیں جگت بھکھاری
کہیں کبیر سُن گورکھا یہ عُمر ہماری

مذاق میں چتانا

مذاقیہ پیرایہ میں چتانا آپ کی ایک معمولی سی حرکت تھی۔ تمتہ ہے:-

ایک دن آپ کا گذر گنگا جی کے کنارے ہُوا۔ بہت سے آدمی سنان دھیان کر کے ایک پنڈت کی کتھا سُن رہے تھے۔ ذکر یہ تھا کہ گنگا کا پانی بہت پوتر ہے۔ جو اُس کا اچمن کرتا ہے اُس کے پاپ دُور ہو جاتے ہیں۔ جو نہاتے ہیں وہ ویکنٹھ چلے جاتے ہیں۔ گنگا ہر چیز کو پاک کر دیتی ہے۔ کبیر صاحب کتھا سُنا کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بولے "مہاراج! آپ کی یہ کتھا زبانی ہی جمع خرچ ہے یا کچھ اصلیت بھی رکھتی ہے؟" پنڈت نے بڑے غرور سے کہا ہاں اصلیت رکھتی ہے۔ کبیر صاحب بولے۔ امتحان کر لیا جائے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ غریب پنڈت کو کیا خبر تھی کہ امتحان کس طرح کیا جائے گا۔ وہ جانتا تھا۔ باد و واد اور شاستر ارتھ سے کام لیا جائے گا۔

کبیر صاحب چپکے سے اُٹھے۔ اپنے کاٹھ کے کمنڈل میں گنگا جل بھر لائے۔ بولے۔ دیکھئے جولاہے کا کمنڈل ہے۔ اِس میں گنگا جل بھرا ہے۔ اگر گنگا کے پوتر جل نے سچ مچ اس کو پوتر کر دیا اور اُس میں پوتر کرنے کی شکتی ہے تو تم اِس جل کو پی لو۔ بس اتنا ہی امتحان ہے۔

جولاہے کا نام لینا تھا کہ پنڈت بگڑ کھڑا ہُوا۔ کمنڈل کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ کبیر صاحب

مُسکراتے رہے۔ بعد کو اُنھوں نے فرمایا۔ جب گنگا کا پانی ہمارے کمنڈل کو نہیں پاک کر سکتا تو وہ پاپ کو کیسے دھوئے گا۔ کوئی کیسے اعتبار کرے بھائی! ہم تو پرتیکش بات دیکھنا چاہتے ہیں۔ اِس میں بُرا ماننے کی کونسی بات ہے۔ جو تم نے کہا وہی ہم نے آزمایا۔ تمھاری بات جھوٹ ہوئی۔ اُس وقت کبیر صاحب نے یہ ساکھی کہی:-

(۱) پاہن کیری پُوتری کر پُوجے کرتار
یا ہی بھروسے مت رہو بُوڑو کالی دھار
(۲) پاہن کو کیا پُوجئے جو جنم نہ دیے جواب
اندھا نر آسا مُکھی یوں ہی ہوئے خراب
(۳) پاہن پانی نہ پُوجئے سیوا جاہی بادِ
سیوا کیجے سادھ کی ستّ نام کر یاد
(۴) کبیر دُنیا دیہرے سیس نواون جائے
ہِردے ماہیں گورو بسیں تا ہی بسوں نو لائے
(۵) پاہن پُوجے ہری ملیں تو مَیں پُوجوں پہاڑ
تا تے تو چکّی بھلی پیس کھائے سنسار
(۶) من متھرا دِل دُوارکا کایا کاشی جان
دسوں دُوار کا دیہرا تا میں جوت پہچان

بات بات میں مُورتی پُوجا کا بھی کھنڈن کر دیا جو اُس موقع پر اصلی چتاونی تھی۔ پنڈت لاجواب ہو رہا اور جتنے آدمی کتھا سُننے کے لئے بیٹھے تھے سب اُن کا مُنہ دیکھنے لگے۔ آخر اُن میں سے دو ایک آدمی کے دِل میں سوال کرنے کی خواہش پیدا ہوئی بانی کہنے کا مقصد ہی تھا کہ وہ اِن کی طرف رجوع ہوں۔ اُنھوں نے پُوچھا۔ آپ مندر اور مُورت کی نندیا کر رہے ہیں۔ اگر یہ پُوجا کا طریق غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہوگا؟ سناتن سے لوگ اِسی طرح پُوجتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا پُوجا کا اصلی مندر انسان کا دِل ہے۔ اِسی میں دیوی دیوتا بستے ہیں۔ اسی کے اندر اکال مُورتی کی جوتی جھلک رہی ہے۔ اگر تم سچی پُوجا کرنا چاہتے ہو تو اس مندر میں

بیٹھ کر آرتی اُتارنے کا راز مجھ سے دریافت کرو میں تم کو بتا دوں گا۔ کئی آدمیوں کو یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں لیکن اُن کے درمیان ایسے ادھکاری بھی تھے جو حقیقت کے مُتلاشی تھے وہ دوسرے دن کبیر صاحب سے ملے اور اُن کی شاگردی اختیار کر لی۔

جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے، جیسا پہلے کہا گیا ہے، کبیر صاحب کی تمام بانی جو بیجک میں آئی بالخصوص کسی نہ کسی شخصیت کو خطاب کی گئی ہے اگر کسی نے اُن کے حالات اور واقعات قلمبند کئے ہوتے تو وہ وسیع پیرایہ اور وسیع پیمانہ میں اُن کی سوانح عمری کی وضاحت کر دیتے مگر اُس وقت کسے ہوش تھا کہ اِدھر توجہ کرتا۔ تاہم اُن کے مطالعہ سے یہ بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ یہ سب کے سب قصہ طلب، روایت طلب اور تلمیحی ہیں۔ بھگتی اور پریم پرچا بیلی اور نیتی کے کلام دھنی دھرم داس جی کو سُنائے گئے تھے۔ ذات پانت اور قومیت وغیرہ کے شبد تتوا جیو ابراہمن سے مخصوص ہیں اور جو گیان دھیان کے بچن ہیں وہ یا تو سرباجیت اور سربانند سے متعلق ہیں یا اور پنڈتوں سے مخصوص ہیں جو شاستر ارتھ کے دلدادہ تھے معمولی ساکھی اور شبد کمالی اور کمال کو کہے گئے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہم نے گورکھ اور صوفیوں کے تذکروں کی مثالیں دے دی ہیں باقی اور جگہ موقع موقع پر سُنائیں گے۔

رامانند جی

دھرم داس جی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اگلے جنم کے رامانند جی وشنو ہیں۔ مگر یہ بات بطورِ خود ایسی نہیں ہے جس پر زیادہ زور دیا جائے۔ صرف عقیدت مند گروہ ہی اِس پر راسخ الاعتقادی سے یقین کر سکتے ہیں۔ خود آواگون کا مسئلہ اس قدر سنجیدہ، اہم اور پیچیدہ ہے جو بحث طلب مضمون ہو جاتا ہے۔

دھرم داس جی

جس وقت کبیر صاحب سے اور سرباجیت سے کاشی پوری میں مباحثہ ہو رہا تھا دھرم داس جی بنارس میں آئے ہوئے تھے۔ یہ باندھو گڑھ کے قریب کے رہنے والے

دولت مند بنئے تھے اور تیرتھ کرتے آئے ہوئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کی عملداری تھی مذہبی مباحثات کا موقع کمتر ملتا تھا، تاہم سرباجیت کی ہٹ نے اس کا اہتمام کر ہی دیا اس پنڈت کو ہمہ دانی کا غرور تھا اور اسی وجہ سے اپنے آپ کو سرباجیت کہا کرتا تھا۔ سوامی شنکر اچاریہ جی کی طرح اسے بھی دگ وجے کرنے اور سب کے شکست دینے کا خیال تھا۔ آدمی باخبر تھا۔ پنڈت اور داچک گیانی تھا۔ اس کی ماں نے کہا "بیٹے! جب تک تو کبیر کو فتح نہ کر لے گا تب تک میں تجھ کو سرباجیت نہ کہوں گی۔ دُنیا چاہے کہا کرے۔ بنارس آج کل کی طرح اُس وقت بھی ودیا کا گھر مشہور تھا۔ اچھے اچھے پنڈت یہاں ہی رہتے تھے۔ یہ ہندوؤں کا مذہبی قلعہ تھا۔ کبیر اس کے سر کٹے ہوئے کسی کو شہرت کب نصیب ہونے والی تھی اور پنڈت تو کبیر صاحب سے کب مخاطب ہی ہونے لگے تھے کیونکہ وہ اپنی ہمہ دانی اور سنسکرت دانی کے زعم میں کبیر صاحب جیسے اَن پڑھ آدمی سے کب شاستر ارتھ کرنے لگے تھے مگر مالک کی موج! سرباجیت کی توجہ ادھر رجوع ہوئی وہ شاستر ارتھ کا خواہشمند ہُوا۔ رامانند جی کے ست سنگ میں آیا کبیر صاحب نے پوچھا تیرے شاستر ارتھ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اُس نے کہا "میں تم کو ہرانا چاہتا ہوں" یہ بولے "یہ بہت سہل سی بات ہے۔ میں پڑھا لکھا ہوا آدمی نہیں ہوں۔ لیکن تو جیتے میں لکھ لے کبیر ہارے اور سرباجیت کی فتح ہوئی اور جہاں چاہے مشہور کر دے۔ مجھے ذرا بھی اعتراض نہ ہوگا۔" اُس نادان نے ایسا ہی کیا۔ مگر اُس کی عقل پر کچھ ایسا پردہ پڑا کہ وہ کچھ کا کچھ لکھ لے گیا اور جب اپنی ماں کو وہ جے پتر دکھایا اُس میں لکھا ہُوا تھا کہ کبیر صاحب جیتے اور سرباجیت ہار گیا۔ وہ پھر واپس آیا۔ مگر اس مرتبہ بھی لکھنے میں اُس سے غلطی ہوئی اور شرمندہ ہو کر وہ ان کے چرنوں میں آ کر گرا اور معتقدانہ وضع میں مذہبی مباحثہ کا خواستگار ہُوا۔ اس مرتبہ کبیر صاحب نے انکار نہیں کیا۔ کئی روز تک ویدانت کے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی جس کا نمونہ اُوپر دے دیا گیا ہے۔ آخر وہ لاجواب ہو کر ان کا چیلہ بن گیا اور یہ شاستر ارتھ کبیر صاحب کی شہرت کا ذریعہ ثابت ہوا۔ دھرم داس اس مباحثہ میں موجود تھے۔ اُنھوں نے متیحر ہو کر کبیر صاحب کی شاگردی کی خواہش کی مگر انھوں نے فرمایا انتظار کرو

ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ وہ چلے گئے۔ دوسری مرتبہ وہ متھرا جی تیرتھ کرنے گئے ہوئے تھے وشنوؤں کا دستور ہے۔ پرنہ میں بیٹھ کر ٹھاکر جی کا بھوگ تیار کرتے ہیں اور لکڑی تک کو دھو کر تب چولھے میں لگاتے ہیں۔ اتفاق کی بات کسی لکڑی میں چیونٹیوں نے انڈے بچے دیے تھے۔ آگ کی گرمی سے کچھ تو مر گئیں اور کچھ تڑپتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ یہ بے چین ہوئے چوکے سے باہر نکل آئے۔ وہاں کبیر صاحب کو موجود پایا۔ صورت سے اضطراب اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ کبیر صاحب نے پوچھا "تم اس قدر اشانت کیوں ہو؟" انھوں نے جواب دیا "بڑا پاپ ہوا کتنی چیونٹیاں مر گئیں۔" یہ زور سے قہقہہ مار کر ہنسے "پھر بات کیا ہوئی! جیسا دیوتا ویسے ہی اُس کی اُپاسنا کرنے والا۔ بال کرشن بھگوان نے مہابھارت میں کروڑوں آدمیوں کے سر مولی اور گاجر کی طرح کٹوا دیے تھے۔ شری رام چندر جی نے لنکا کے تمام براہمن راکشسوں کو ہلاک کیا تھا۔ وشنو کے تمام اوتاروں نے ایسا ہی تو کیا ہے یہ سب تمھارے اِشٹ ہیں اور تم ان کو پوجتے ہو۔ پھر اگر تم نے سو دو سو چیونٹیوں کو مار دیا تو نقصان کیا ہوا! تم کو تو اپنے اِشٹ پر قایم رہنا چاہئے۔ افسوس کیوں کرتے ہو" دھرم داس جی کی آنکھ کھل گئی۔ قدموں میں گر پڑے۔ کبیر صاحب نے اُسی وقت یہ ساکھی سُنائی:۔

جیو بنا جیوے نہیں۔ جیوے جیو اہار
کہے کبیرا سار مت۔ سنتو کرو وچار

یعنی اِس رچنا میں جیو ہی جیو کی غذا ہے۔ بڑا جیو ہی چھوٹے جیو کو کھا جاتا ہے اور چھوٹے جیو اپنے سے چھوٹے جیو پر گذران کرتے ہیں۔ جگت میں ہر جگہ ایسا ہی دیکھا جاتا ہے۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کا مضمون ہے۔"

دھرم داس نے پھر چیلا بننے کی درخواست کی۔ انھوں نے پھر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی وقت نہیں آیا ہے اور وہاں سے چل دیے۔ تیسری دفعہ جب دھرم داس باندھو گڑھ میں بے چین تھے کبیر صاحب وہاں انھیں ملے۔ یہ پاؤں پر گر کر پھر التجا کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا "تم کو دولت کا بندھن ہے۔ تمام دولت فقیر، براہمن اور کنگالوں

میں تقسیم کر دو تب میں اپنی شاگردی میں لوں گا۔" دھرم داس جی کے پاس کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ لاکھ روپیہ نقد تھا۔ بلا تامل سب کو خیرات کر دیا۔ کبیر صاحب نے پھر انھیں اپنی شاگردی میں لیا اور شاگردوں میں اُنھیں اپنا گورو مکھ بنایا۔ دھرم داس جی کی بیوی آمن دیوی نے جب یہ حال دیکھا خوف میں آ کر چرنوں میں گری۔ "سوامی! جب آپ نے میرا شوہر مجھ سے چھین لیا تو میں اب کس کی ہو کر رہوں۔ مجھے بھی اپنے چرنوں کی شرن دیجے۔" انھوں نے اس کے سامنے بھی وہی شرط پیش کی۔ اس نے اپنا زیور لباس برتن بھانڈے سب غریبوں کو دے دیے۔ صرف ایک کالی کملی اوڑھ کر آئی۔ کبیر صاحب کی منظورِ نظر بن گئی۔ ان کے بعد ان کا لڑکا نرائن داس بھی جو ابھی کمسن تھا حاضر ہوا۔ "اناتھوں کے ناتھ! میری بیکسی پر رحم کیجے۔ اگر ماں باپ نہیں رہے تو اب آپ ہی مجھے اپنی فرزندی کا حق بخشئے میں اب کہاں جاؤں۔" اور جب روتا ہوا لڑکا ان کے پاؤں سے چمٹ گیا کبیر صاحب نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، اپنا فرزند بنایا اور ان سب کی بھگتی سے ایسے خوش ہو گئے کہ انھیں بیالیس پُشت تک مذہبی راج کرنے کا حکم دیا اور تینوں کو گرہست آشرم میں رہنے کی اجازت بخشی۔ یہ مذہبی دُنیا میں اپنے قسم کا پہلا واقعہ ہے اور کبیر صاحب نے خود مثال قایم کی ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ گرہستی ہی سادھو مذہبی آچاریہ کے فرایض انجام دیں گے اور اُس وقت سے یہ سلسلہ چل پڑا جس کی تکمیل حضور معلّیٰ مقدس نے اپنی خانہ داری کی زندگی کی مثال میں نہایت ہی خوبصورتی سے کر دکھائی ہے اُس وقت جو بانی رمینی کی شکل میں دھرم داس جی کو کہی گئی ہے اُس کو بیجک میں اس طرح محفوظ کیا گیا ہے:۔

تیں سُت مانو ہماری سیوا — تو کہاں راج دیہوں ہو دیوا
اگم دُرگم گڑھ دیہوں چھوڑائی — اَور و بات سُنو کچھو آئی
اُتپتی پرلے دیو دکھائی — کر ہو راج سُکھ بلسہو جائی
ایکو بار نہ جھیہیں بانکو — بہُری جنم نہیں ہوئی ہے تاکو

جاے پاپ دُہُوں سُکھ دھانا نِشچے بچن کبیر کو مانا

ساکھی
سادھ سنت تیہی جنا جن مانا بچن ہمار
آدی انت اُتپتی پرلے سب دیکھا دِرشٹی پسار

ابتدا انتہا ازل ابد نظر

ترجمہ رمینی۔ (۱) اے بیٹے! تو میری خدمت کر میں تجھ کو راج دونگا (۲) سہل اور مشکل قلعوں کی قید سے چھڑا دوں گا اور یہی بات بتاؤں گا (۳) پیدائش اور موت کے نظارے دکھاؤں گا اور تو راج کا سُکھ بھوگے گا۔ (۴) ایک بال بھی تیرا بانکا نہ ہوگا اور پھر جنم مرن کے پھندے میں نہ آؤ گے (۵) پاپ چلا جائے گا سُکھ کثرت سے ملے گا۔ کبیر (صاحب) کے بچن کو سچا سمجھو۔ ساکھی (۶) سادھ سنت وہی لوگ ہیں جو ہمارے بچن کو مانتے ہیں۔ ہم نے نگاہ کو پھیلا کر ابتدا انتہا، جنم مرن، اُتپتی اور پرلے سب کا تماشا دیکھ لیا ہے

کبیر پنتھ کے مکھ آچاریہ اُس وقت سے لے کر آج تک دھرم داس جی ہی کے لڑکے چلے آتے ہیں۔ مگر پنتھ کا بھید گُپت ہوگیا کہ کسی کو خبر نہیں رہی اور اگر حضور معلّٰی نہ پرگٹ ہوتے تو وہ اب تک ویسا ہی پوشیدہ رہتا۔

بگھیل بنس

کبیر صاحب نے اسی طرح پہلے گجرات دیس کے ایک سُولنکی راجہ کو جتایا تھا۔ اس کی اولاد نہیں تھی۔ راجہ رانی دونوں بڑے دُکھی تھے۔ کبیر صاحب کا وہاں گذر ہُوا۔ چونکہ وہ باکمال مشہور ہوچکے تھے، دونوں اِن کی سیوا میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "اب سُولنکیوں کا راج دُنیا سے اُٹھ گیا لیکن فکر نہ کرو تمھاری اولاد ہوگی۔ اور چونکہ اُس میں شیر مردی کے اوصاف ہوں گے، صورت اور شکل بھی شیر ہی جیسی ہوگی اور سُولنکی نسل اُسی نام سے چلے گی" یہ کہہ کر وہ تو رمتا رام تھے رم گئے۔ نو مہینے کے بعد رانی کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ کبیر صاحب کے فرمانے کے موجب سچ مچ وہ شیر ہی جیسا صورت شکل والا تھا ماں باپ دونوں ڈر گئے۔ خوف اور شرم کی وجہ سے اُسے جنگل میں پھنکوا دیا تاکہ جانور کھا جائیں

بیکس غریب بچہ رو رہا تھا۔ آپ اُدھر سے گذر رہے تھے۔ لڑکے کے رونے کی آواز سُنی اُسے دیکھا۔ سمجھ گئے اور نوزائیدہ بچہ کو گود میں لیے ہوئے راجہ کے محل میں آئے اُسے لعنت ملامت کی۔ سمجھایا کہ اگر اس لڑکے کو ضایع کردوگے تو سُولنکی حکمران نسل کا دُنیا سے خاتمہ ہوجائیگا اور پھر کوئی تمھارا نام بھی نہ لے گا۔ وہ ڈرے۔ معذرت کرنے لگے۔ کبیر صاحب نے اُس لڑکے کا نام ویاگھر دیو رکھا اور اسی سے وگھیل بنس یعنی بگھیلوں کی اولاد کا سلسلہ قایم ہُوا جو دلیر اور جری راجپوت ہوتے ہیں۔ اب اس طرح کے سُولنکی بگھیل ہی کہلاتے ہیں۔ یہ ویاگھر دیو اس قدر جوانمرد اور شیر دل تھا کہ میدانِ جنگ میں تن تنہا جدھر بل پڑتا تھا پرے کے پرے صاف کردیتا تھا۔ اس نے اپنی قوتِ بازو سے کئی مُلک فتح کئے۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ اگر یہ یورپ میں پیدا ہوتا تو دوسرا سیزر (قیصر) کہلاتا مگر کبیر صاحب کو یہ منظور نہیں تھا وہ گجرات میں رہے اس نسل کو اُنھوں نے چھتیس گڈھ کے قریب لاکر آباد کیا۔ وہاں لکشمن جی مہاراج کا تعمیر کردہ قلعہ زمین دوز ہوگیا تھا کسی کو شان وگمان بھی نہیں تھا کہ یہاں قلعہ ہوگا۔ کبیر صاحب نے اُسے از سرِ نو کھدوایا۔ مرمّت کرائی اور بگھیلوں کو یہ قلعہ دے کر فرمایا کہ یہی اب تمھاری راجدھانی ہوگی" یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔ چاروں طرف دلدل اور جنگلوں سے گھرا ہُوا ہے۔ اُس کے اندر اب تک کبیر صاحب کی مُورتی ہے جس کی پُوجا بندنا کرکے تب نئے راجے سنگھاسن پر بیٹھتے ہیں اور کبیر صاحب کو اپنا اشٹ سنت سمجھتے ہیں۔ پہلے یہ گھرانا کبیر پنتھی تھا۔ مہاراجہ وشوناتھ سنگھ تک سب کبیر پنتھی تھے لیکن کچھ ایسا اتفاق ہُوا کہ اُن کے درمیان رامانج سمپردا میں شامل ہوکر کبیر صاحب کے نام کو بٹہ لگایا۔ وہ معتقد ضرور تھے جیسا کہ اُن کی کتاب بگھیل بنس کی تواریخ سے ظاہر ہے مگر کبیر پنتھی نہیں رہے۔ رامانجی بن گئے آخری مہاراجہ وِنکٹ رمن رامانج پرشاد سنگھ جی کو مدت سے خیال تھا کہ پھر شاہی نسل میں کبیر پنتھ کا رواج دیا جائے لیکن کسی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرسکے ممکن ہے کہ اب اُن کے لڑکے جو بگھیل کھنڈ کے راجہ ہیں ادھر توجہ کریں لیکن کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کاش اگر اب بھی وہ خیال کریں تو اصلی معنی میں کبیر صاحب کی مہربانیوں کے احسان کی رُوح کو پھر دوبارہ زندگی عطا کردیں گے۔ مرحوم رامانج پرشاد سنگھ نے اتنا تو کیا تھا کہ مہنتوں کے رسوخ کو پامال کردیا تھا

مگر اس سے آگے قدم بڑھانے کی اُنہیں ہمت نہیں ہوئی۔

وبا گھیر دیو کبیر صاحب کا بڑا معتقد تھا۔ اُسے بھی بیالیس ہی پُشت تک راج کرنے کا حکم ملا ہے۔ اس کی بھگتی کو دیکھ کر وہ بہت خوش تھے اور اُسے کشتری دھرم پالن کرنے کے متعلق جو وعظ سُنایا تھا۔ بیجک میں اس صُورت میں موجود ہے:۔

کشتری کرے کشتریہ دھرما | وا کے بڑھے سوائی کرما
جن ادھو گورو گیان لکھایا | تا کر من تہاں ہی لے آیا
کشتری سو کٹمب سوں جوجھے | پانچوں میٹی ایک کری بوجھے
جیو ہی ماری جیو پرتی پالے | دیکھت جنم آپنو ہارے
سالے کرے نشانے گھاؤ | جو جھی پرے تہاں من مت راؤ

ساکھی
من مت مرے نہ جیوئی۔ جیو ہی مرن نہ ہوئے
شونیہ سنیہی رام بن۔ چلے اپن پو کھوئے

ترجمہ رمینی:۔ (۱) کشتری وہ ہے جو کشتری کے دھرم کا پالن کرتا ہے۔ اُس کے سوائی کرم بڑھتے ہیں (۲) اے سادھو! جن کو گورو نے جہاں کا گیان لکھایا اُن کا من اُن کو وہاں ہی لے کر وہ گیا (۳) کشتری وہ ہے جو کٹمب کے ساتھ لڑے اور پانچوں (اندریوں) کو میٹ کر ایک کرے (۴) جو ایک جیو کو مارتا ہے اور دوسرے جیو کو پالتا ہے وہ دیکھتے دیکھتے اپنے جنم کو خراب کرتا ہے (۵) نشانہ پر زخم لگا کر دُکھ دے (اُس دُکھ میں) من کا راجہ وہاں ہی مر کر جوجھ جاتا ہے۔ ساکھی (۶) جو من مت ہے (گورو مت نہیں ہے) وہ مُردہ ہے۔ زندہ نہیں ہے۔ (یوں تو اصل میں جیو کا جنم مرن نہیں ہوتا) شونیہ سنیہی (رام کی بھگتی کے بغیر وہ اپنی اصلیت کو کھو کر بھٹکتا پھرتا ہے۔

تشریح۔ جو جس کا تصور کرتا ہے اُسی میں لین اور محو ہوتا ہے۔ جس کو گورو نے جہاں اور جس ستھان کا علم بخشا ہے اُس کا من وہاں ہی اُس کو لے جاتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے جو کشتری اپنے کشتری کے دھرم کا پالن کرتا ہے (عمل مشاقی سے) وہ ہمیشہ سوائی بڑھا کرتا ہے اصلی کشتری وہ ہے جو اوروں سے لڑنے کے عوض اپنے اندر لڑائی کرے اور پانچوں اندریوں کو

مار کر ایک کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور کسی جیو کو مارتا اور کسی جیو کو پالتا ہے تو سنو اس کا جنم خراب ہوتا ہے کیونکہ جس کو مارے گا اور جس کو جو دُکھ دے گا اُس کا من اُس کے دُکھ کو پراپت ہوگا۔ یہ مسلّمہ بات ہے۔ کشتری کو من مت نہیں بلکہ گورو مت ہونا چاہیئے۔ من مت زندہ نہیں بلکہ اپنے من کا آپ مارا ہوا ہے۔ اگر یہ کہو کہ جیو نہیں مرتا سو تو صحیح ہے۔ اصل میں جیو نہیں مرتا مگر یہاں مرنے سے یہ مُراد ہے کہ شونیہ سنیہی رام کے نہ جاننے سے وہ اپنی اصلیت سے غافل ہو کر دھوکے میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ کبھی کسی دیوتا کو پُوجتا ہے کبھی کسی کو، کبھی برہمہ کا نشچے باندھتا ہے اور اُن ہی مرتا کھپتا رہتا ہے کیونکہ اصلیت اِن سے پرے ہے۔ جیو کو اصلیت کی سمجھ گورو مت ہونے سے آتی ہے۔

اس رمینی میں جو اُپدیش سُنایا گیا ہے وہ تجھیل بنش کے کشتریوں کے ذہن نشین رکھنے کی چیز ہے۔ کبیر صاحب کی مذہبی تعلیم کی تو حضور مہاراج نے پھر دوبارہ رادھا سوامی مت کی شکل میں تجدید کی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا کوئی راجہ بھی شریک ہو کر اُسے تقویت دیتا ہے یا نہیں۔ بہرحال ہمارا تو کہنا اور یاد دِلانا ہی فرض ہے۔ اس سے زیادہ ہم زبان نہیں کھول سکتے۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظ مخروش
رموزِ سلطنتِ خویش خسرواں دانند

سکندر لودھی

جس وقت کبیر صاحب کی عمر زیادہ ہوئی اُن کے مت کا پرچار زور و شور کے ساتھ ہو گیا۔ سکندر لودھی کا عہد تھا جو بہت بڑا جابر متعصب اور دانشمند مُدبّر تھا۔ اس نے نہ صرف مسلمانی دھرم کو فروغ دیا بلکہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے وفادار بنانے کی تدبیریں نکالیں بھٹناگر کائستھوں کو فارسی پڑھنے کا شوق دلایا۔ سرکاری مناصب دئے اور جب ہندوؤں نے سرکاری عہدہ داروں کی مخالفت کرنے لگے تو اُس نے دہلی کے قریب اپنے نام ایک شہر سکندر آباد بسایا۔ وہاں اُن کو جاگیریں دیں۔ جواب تک اُن کی اولاد کے قبضہ میں ہیں سکندر سے پہلے کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ دونوں طرح سے کام کرتا تھا۔ تالیفِ قلوب کے

ساتھ اپنے دین کی حمایت کا بھی خیال رکھتا تھا۔

کبیر صاحب کے سینکڑوں حاسد پیدا ہو گئے۔ ہندو الگ، مسلمان الگ۔ دونوں ناراض اور دونوں ہی دشمنی پر تلے ہوئے! برہمن الگ اُتپات مچایا کرتے تھے۔ قاضی اور مُلّا الگ شکایتیں کیا کرتے تھے مگر کسی کا بس نہیں چلتا تھا۔ سب دل سے چاہتے تھے کہ کبیر جی کی آؤ بھگت نہ ہو مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ سچائی نے اپنا ظہور کیا تھا۔ سچ کے سامنے جھوٹ کو کیسے فروغ مل سکتا ہے۔

گرفتاری

آخر جب ہار گئے تو ہندو اور مسلمان روزِ روشن میں مشعل جلا کر بادشاہ کی خدمت میں نالشی ہوئے اور تو اور مائی لقمان کو بھی لوگوں نے بہکایا۔ وہ بھی سب کے ساتھ فریادی بن کر آئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ دن میں مشعل جلائے غٹ کے غٹ آدمی دربار میں آئے ہوئے ہیں۔ پوچھا کیا معاملہ ہے۔ کیوں دن میں سورج کے ہوتے ہوئے مشعل جلا رکھی ہے۔ فریادیوں نے کہا "جہاں پناہ! اندھیر ہے۔ ایک جولاہا دینِ اسلام سے منحرف ہو کر ہندؤں کی طرح پیشانی پر تلک لگاتا ہے اور رات دن رام رام کی صدا سے بنارس کی گلیوں کو گونج رکھا ہے۔ آپ بیا ادھرمی ہے۔ ہم لوگوں کو بھی ادھرمی کر رہا ہے۔ میر تقی نے بھی بادشاہ کو اُکسایا۔ تب تو بادشاہ چیں بہ جبیں ہوا اور حکم دیا کہ کبیر کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی دوڑے۔ گھنٹوں تلاش کی۔ آخر شام کے وقت، سورج ڈوبنے سے پہلے اُن کو پکڑ کر لے آئے۔ کبیر صاحب آ کر چپ چاپ دربار میں کھڑے ہو گئے۔ نہ مجرا نہ سلام۔ نہ آداب نہ نیاز۔

قاضی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آنکھ بھوں چڑھا کر کہا "او کافر! بادشاہ کو سلام کیوں نہیں کرتا"۔ کبیر صاحب نے جواب دیا۔

کبیر تے نر پیر ہیں جو جانیں پر پیر
جو پر پیر نہ جان ہیں تے کافر بے پیر

اے قاضی! میں نے سلام کرنا نہیں سیکھا اور نہ مجھ کو سلام کرنا آتا ہے۔ بادشاہ نے

پوچھا "تم اتنی دیر بعد کیوں آئے؟ مجھ کو گھنٹوں تمہارا انتظار کرنا پڑا"۔ کبیر صاحب نے کہا "ایک تماشہ دیکھتا رہا"۔

بادشاہ نے پوچھا "کیا تماشہ دیکھتا رہا"۔

یہ بولے "میں نے دیکھا کہ ایک راستہ سوئی کے ناکے کے ایسا باریک ہے۔ اُس سے کئی ہزار اُونٹ اور ہاتھی گذر رہے ہیں"۔

بادشاہ نے کہا "کیسی جھوٹی بات کہتے ہو جس کا نہ امکان ہے اور نہ کسی کو شان و گمان ہے"۔

کبیر صاحب نے فرمایا۔

کبیر جھوٹ نہ بولئی جب لگ پار بسائے
نا جانوں کیا ہوئے گا پل کے چوتھے بھائے
بوند سمانی سمندر میں جانت یہ سب کوئے
سمندر سمانا بوند میں بوجھے برلا کوئے
اُوپر کی دونوں گئیں ہیے کی گئیں ہرائے
کبیر جا کی چاروں گئیں تاسوں کیا بسائے

بادشاہ نے کہا "اس میں کلام نہیں۔ تمہاری باتوں میں ضرور سچائی کا اظہار ہوتا ہے مگر اس کو ذرا صاف صاف کہو تا کہ اس کو لوگ بھی سمجھ سکیں"۔ کبیر صاحب بولے "اے سکندر تو دیکھ۔ آسمان اور زمین چاند اور سورج کے درمیان کتنی دوری ہے۔ اس وسعت میں بے شمار اُونٹ، ہاتھی اور آدمی چل پھر رہے ہیں۔ وہ سب تیری آنکھ کی پتلی کے اندر سے گزرتے ہیں اور اس میں سما جاتے ہیں۔ کیا آنکھ کی پتلی سوئی کے ناکے سے باریک نہیں ہے۔ اسی طرح پانی کے ایک بوند میں سمندر لہرا رہا ہے اور ریت کے ایک ذرہ میں لاکھوں اور کروڑوں سورج، چاند اور ستارے چمک رہے ہیں جو نہ دیکھے اُس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ میں اس تماشے کو روز بلا ناغہ دیکھا کرتا ہوں۔ آج بھی دیکھتا رہا۔ اِس وجہ سے

تیرے پاس آنے میں دیری ہوئی۔"

بادشاہ کی گردن جھک گئی۔ کہنے لگا "سچ کہتے ہو۔ جاؤ جو کچھ ہوگا پھر دیکھا جائے گا۔"

لوگوں نے شیخ تقی سے کہا "بادشاہ نے ہماری داد فریاد نہیں سُنی۔" شیخ تقی نے بادشاہ سے کہا "یہ شخص اسلام کی شریعت کے برخلاف تعلیم دیتا ہے اور ہندو بھی ناراض ہیں۔ اگر اس کو سزا نہ دی گئی تو پھر مُلک میں فساد برپا ہوگا۔ برہمن جو وہاں حاضر تھے بولے "سرکار یہ شخص ادھرمی ہے۔ بے شرم اور سربھنگی ہے۔ طوائف اور ریداس چمار کو ساتھ لے کر بے حیائی سے بازار میں گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کو دھرم سے بے دھرم بناتا ہے۔ اگر اس کو یوں ہی چھوڑا گیا تو پھر خلقِ خدا گمراہ اور بے دین ہو جائے گی۔"

مجبور ہو کر بادشاہ نے پھر کبیر صاحب کو طلب کیا۔ وہ آئے۔ پُوچھا "آپ کی نسبت لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ بولے "جو جیسا ہے وہ ویسا کہتا ہے۔ عیب بین کو عیب نظر آتا ہے۔ ہُنر بین کو ہُنر دکھائی دیتا ہے۔ شئے ایک ہے اس کو احول کی آنکھ دو دیکھتی ہے۔ اِس میں کس کا قصور ہے۔ ہم جیسے ہیں ویسے ہیں۔"

بادشاہ نے پُوچھا آپ کیسے ہیں؟ باعزت یا بے عزت!

کبیر صاحب نے جواب دیا "ہم عزت اور بے عزتی دونوں سے پرے ہیں۔ جس میں عزت کا خیال ہے وہ ہم کو باعزت سمجھتا ہے۔ جو بے عزت ہے وہ بے عزت سمجھتا ہے

شبد

جب ہم ایک ایک کر جانا تب لوگین کا ہے دُکھ مانا
ہم ہیں اپت اپنی پت کھوئی ہمرے کھوج پڑو مت کوئی
ہم مندے مندے من ماہیں ساگ پات کا ہُوسے ناہیں
پت اپت تاکی نہیں لاج تب جانو جب اُگھرے آج
کہیں کبیر ہر پت پردان سرب تیاگ بھجو کیول رام

اب لگ تو اچھی نبھی ایک سوچ من ماہیں
ساکھی جب جیو جم کے بس پرے تب پت رہے کہ ناہیں

قاضی نے کہا "تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔"

کبیر صاحب نے جواب دیا "کہاں کے ہندو کہاں مسلمان ہم دونوں کو ایکو جان۔
گھٹ گھٹ اوگھٹ سائیاں۔ خالی گھٹ نہیں کوئے
بلہاری تا گھٹ کے۔ جا گھٹ پرگھٹ ہوئے

قاضی بولا "تم اپنے آپ کو کبیر کہتے ہو۔ یہ نام خدا کا ہے۔"

کبیر۔ جب تم ایسا سمجھتے ہو تب کیوں کہتے ہو۔ جانتے ہو۔ پھر بھی باز نہیں آتے۔ تم مجھ کو کبیر سمجھتے ہو۔ میں کبیر ہوں۔ اپنے ہی کہتے کرتے ہو اور ناحق عیب لگاتے ہو۔

سکندر بادشاہ۔ پھر تمہارا اصلی نام کیا ہے؟

کبیر۔ نام رُوپ سے پار ہیں رنگ رُوپ نہیں نام
کام رُوپ سے دام ہیں نہ ان رہیں اکام

سکندر۔ یہ تم کیا کہتے ہو؟

کبیر۔ یہ تم کیا کہلواتے ہو؟

سکندر۔ خوب۔

کبیر۔ سُنو۔

شبد

میرا نام کبیرا سکل جگ ظاہرا
(۱) تین لوک میں نام ہمارا آنند ہے استھانا
پانی پَون سُومیر سمانا بھید میں رچیو جہانا
(۲) انحد لہر گگن میں گرجے باجے سوہنگ تالی
برہمہ تیج ہم میں پرکاشا ہم ہیں عجب خیالی

(۳) جم بندھن سے جیو چھڑاؤں نرمل کروں سریرا
سُر منی کوئی انت نہ پاوے پاویں سنت کبیرا
(۴) وید کتیب پار کب پاویں ایسے متی کے دھیرا
کہیں کبیر سنو شاہ سکندر ہم دونوں دین کے پیرا

سکندر کے غصّہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ قاضی اور شیخ تقی دونوں اُس کو اُکسانے لگے۔ سکندر ناراض ہُوا۔ بولا۔ تو دوزخی ہے۔ دوزخ کی آگ میں جلے گا۔

کبیر صاحب ہنسے

دوزخ پڑیں تُرک اور ہندو۔ قاضی باہمن دونوں بھوندو

بادشاہ نے کہا۔ اس کو زنجیر سے باندھو۔

کبیر صاحب نے جواب دیا۔

موہ تور کی جیوری بٹ باندھا سنسار ۔ داس کبیرا کیوں بندھے جاکے نام آدھار

کرامات

بادشاہ نے آخر اُن کو مضبوط زنجیر سے جکڑ کر گنگا میں غرقاب کر دیا۔ کبیر صاحب کامل سنت تھے سُوکشم شریر سے بندھن سے نکل کر دریا میں تیرنے لگے۔ پھر پکڑے گئے۔ آگ میں جھونک دئے گئے۔ آگ اُن کو نہ جلا سکی۔ جو تتو دیتا ہیں وہ جلتے ہیں آگ ستھول رُوپ ہو کر صرف ستھول کو جلاتی ہے۔ سُوکشم کو بھلا کیا جلائے گی۔ جو لوگ سُکشم کا دھرم جانتے ہیں وہ اُسی تتو کے بن کر اُس سے مل کر ایک ہو رہتے ہیں۔ افسوس ہے لوگ یوگ کی کتابیں تو پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں

جو آگ میں رہ کر آگ کو قاعدہ میں چلاتا ہے آگ جس کا جسم ہے جس کو آگ نہیں جانتی وہ سیرالافانی امرت آتما ہے۔

سب دنگ رہ گئے کہنے لگے۔

نانک چیٹک جو لہا جانے ۔ شاہ سکندر تو مت جانے

بادشاہ نے کہا۔ اس کو ہاتھی کے پاؤں کے تلے پامال کر دو۔ مہاوت مست ہاتھی پر

بڑھ کر آنکس دے دے کر اُس کو ہُولنے لگا۔ ہاتھی چیختا چنگھاڑتا ہُوا پیچھے کی طرف ہٹا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ مہاوت بولا۔ جہاں پناہ! سامنے ایک شیر ببر نظر آتا ہے۔ ہاتھی کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اُس پر حملہ کرے۔ رُوحانیت کے علم سے بے خبر لوگ اُس کو خلاف عقل تسلیم کرتے ہیں مگر جن کو آج کل کے علم ہپنو ٹیزم سے اگر کچھ بھی خبر ہے تو اُس امر کو ممکن خیال کریں گے پھر کبیر صاحب کی بات ہی اور تھی۔

آخر بادشاہ کے غصّہ کا پارہ حد اعتدال سے اُوپر چڑھ گیا۔ وہ خود ہاتھی پر چڑھ کر ہولنے لگا۔ اُس کو زبردست شیر کی صورت نظر آئی۔ ہاتھی پیچھے کی طرف ہٹا۔ بادشاہ نیچے اُتر پڑا۔ کبیر صاحب کے پاؤں پر گرا۔ قصوروں کی معافی چاہی۔ میں مجرم ہوں جو سزا چاہو دو۔

کبیر صاحب نے فرمایا۔ بابا سزا دینا ہمارا کام نہیں ہے۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ نہ ہم کو کسی سے دشمنی ہے نہ دوستی ہے۔ ہم تو اپنے ہنسوں کو چتانے آئے ہیں اور ان کو چتائے بغیر نہ جائیں گے۔ تمہاری نسبت صرف اتنا کہتے ہیں۔

جو تو کو کانٹے بووے تا ہی بوے تو پھول
تو کو پھول کے پھول ہیں واکو ہے ترسول

سکندر نے کہا مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے۔

وہ بولے۔ جا۔ اب بندگانِ خُدا کو زیادہ تکلیف نہ دے۔ تُو نے لوگوں کو ناکردہ گناہ ستایا ہے اور مذہب کے نام پر خون کی ندیاں بہائی ہیں۔ اب ایسا نہ کر۔ یہی نصیحت اور یہی اُپدیش ہے۔

سکندر محجوب ہوگیا اور اس واقعہ کے بعد اس میں خاص قسم کی تبدیلی آگئی۔

بھکتی بھاؤ کو کس طرح تقویت دی جاسکتی ہے اور سنت کس طرح بھگتوں کو کسوٹی پر کس کر اُن کے کمزور پہلوؤں کو دُور کر کے طاقتور بناتے ہیں اُس کی ہم یہاں کبیر صاحب کی زندگی سے صرف ایک دو مثالیں دینا کافی سمجھتے ہیں۔

بیر سنگھ

پہلی مثال بیر سنگھ بگھیلا کی ہے۔ اتفاق کی بات اُس وقت سکندر لودھی بنارس میں آیا ہُوا

تھا اُس کے ساتھ کئی ریاستوں کے راجے بھی آئے ہوئے تھے جو مختلف حویلیوں میں اُترے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک راجہ بیر سنگھ بھی تھا۔ کبیر صاحب اپنے کسی چیلے کو لیے ہوئے اُس کی حویلی میں بے تکلفی سے آئے۔ دربانوں نے روکا۔ پوچھا کہاں جاتے ہو؟ یہ بولے ہم مسافر ہیں۔ اس سرائے میں ذرا ٹھہر کر دم لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دربانوں نے کہا یہ سرائے نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے۔ یہ ضرور سرائے ہے۔ بیر سنگھ نے اُن کی بات سُنی۔ خود باہر نکل آیا۔ سادھو سمجھ کر سمجھانے لگا۔ اس کو سرائے نہ سمجھو۔

کبیر صاحب نے پوچھا اچھا بتاؤ۔ پہلے اِس میں کون رہتا تھا۔

بیر سنگھ بولا مجھ سے پہلے ایک راجہ یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔

کبیر صاحب نے کہا اُس سے پہلے کون تھا؟

بیر سنگھ بولا۔ اُس سے پہلے ایک اور راجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

کبیر صاحب نے پوچھا۔ اس سے پہلے کون اُترا تھا؟

بیر سنگھ نے کہا۔ یہ مجھ کو نہیں معلوم مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس حویلی میں اکثر راجے آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔

کبیر صاحب ہنسے۔ پھر اگر یہ سرائے نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تم خود اپنی باتوں سے اس کو سرائے ثابت کر رہے ہو۔ اگر میں نے سرائے کہا تو کیا بُرا کہا؟

بیر سنگھ خاموش ہوگیا اور تعجب سے کھڑا ہوا ان کی باتوں پر وِچار کرتا رہا۔

چیلے کو چیتانا

کبیر صاحب اور وہ نادان چیلا تھوڑی دیر بعد اسی صحن میں لیٹ گئے۔ پہلے نوکر کہیں چلے گئے تھے۔ دوسرے آئے۔ اُن کی نگاہ پہلے چیلے پر پڑ گئی۔ پوچھا "تو کون ہے؟" وہ بولا "میں سادھو ہوں۔" نوکر بگڑے اور اُس کو مار باہر نکال دیا۔ پھر کبیر صاحب کو پاکر وہی سوال اُن سے بھی کیا۔ مگر یہ خاموش رہے۔ کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ بیر سنگھ خود بات چیت سُن کر اُدھر آیا اور نوکر کو ڈانٹا۔ جانے بھی دے۔ یہ مست فقیر ہیں۔ اعتراض نہ کر۔

کبیر صاحب باہر آئے۔ چیلا بھی وہاں کھڑا ہوا پریشان و مغموم تھا۔ پوچھا کیا ہوا؟ اُس نے جواب دیا۔ مجھ کو دربانوں نے مارا۔ کبیر صاحب نے پوچھا تم کچھ ضرور بنے ہوگے۔ اُس نے کہا۔ اُن کے پوچھنے پر میں نے یہ کہا تھا کہ سادھو ہوں۔ بس صرف اتنی ہی بات کہی تھی۔ کبیر صاحب مسکرائے۔ دیکھو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا جو بنتے ہیں وہ مار کھاتے ہیں۔ سادھو بننا بھی بُرا ہے۔ بنو مت۔ اصلیت کا رنگ تمہارے بیوہار سے پرگٹ ہو۔ اس سے کبھی نقصان نہ ہوگا۔ سانچ کو آنچ نہیں۔ میں نے سمجھایا تم نے نہیں مانا۔ اب شاید یہ بات تمہارے سمجھ میں آگئی ہوگی۔

سانچے شراپ نہ لاگئی سانچے کال نہ کھائے
سانچے کو سانچا ملے سانچے مانہہ سمائے
جاکی سانچی سُرت ہے تاکا سانچا کھیل
آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی سائیں سیتی میل
جو تو سانچا بانیا سانچی ہاٹ لگائے
اندر جھاڑو دیکر کوڑا دُور بہائے

جب ستگورو کبیر نے کئی مرتبہ بیر سنگھ کو ایسے پرچے دیئے تو وہ ان کا شردھالو بھگت ہوگیا اور دل سے عزت کرنے لگا۔ جب یہ اُس کے دربار میں جاتے تو گدی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا اور تعظیم کیا کرتا۔ کبیر صاحب نے سوچا کہ اُس کی بھگتی کچی ہے۔ سچی نہیں بلکہ بناوٹی ہے جو لوگ دکھاوے کی بھگتی کرتے ہیں اُن کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی نہ کسی روز پھسل پڑیں گے اور اُن کا کیا کرایا کام بگڑ جائے گا کیونکہ

مان بڑائی دیکھ کر بھگتی کرے سنسار۔ جب دیکھے کچھ ہینتا اوگن دھرے گنوار!

ایک واقعہ

ایک روز پھاگن سُدی پورنماشی کے دن کبیر صاحب نے ایک ہاتھ سے ریداس بھگت کو اور دوسرے ہاتھ سے گنگا طوائف کو پکڑے ہوئے اور بغل میں بوتل دبائے ہوئے

شہر کے گلی کوچوں سے ہو کر نکلے۔ جن لوگوں نے ان کی وضع دیکھی دنگ رہ گئے۔ ہنسی ٹھٹا کرنے لگے۔ اسی حیثیت سے وہ بیر سنگھ بندیلے کے پاس پہنچے۔ اُس کے اعتقاد کو دھکا پہنچا۔ وہ کبیر صاحب سے مخاطب نہیں ہوا اور دربار کے لوگ بھی کچھ سخت سُست کہنے لگے۔ کبیر صاحب نے یہ حالت دیکھی۔ دل میں مسکرائے اور سرِ دربار بوتل کا پانی فرش پر کھڑے ہوئے اپنے پاؤں پر انڈیل دیا۔ بیر سنگھ نے پوچھا یہ کیا کیا ہے؟ ربداس جی نے جواب دیا جگنا تھ جی کے اٹکا اُتارتے وقت آگ لگ گئی تھی۔ اُس کو کبیر صاحب نے پانی ڈال کر بجھایا ہے۔ کسی کو اس بات کا یقین نہیں آیا۔ بیر سنگھ نے کہا۔ یہ بات کیسے سچ ہو سکتی ہے؟ اتفاق کی بات ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اُس نے کہا۔

اچھیا یج اَن اچھیا ڈولیں — داس کبیر منتھیا نہیں بولیں

کبیر صاحب تو ہنستے مسکراتے ہوئے اسی شکل سے واپس آئے۔ بیر سنگھ نے جو بہت ذی رسوخ رئیس تھا سکندر لودھی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اس واقعہ کی تحقیقات کرنی چاہیئے۔ سانڈنی سوار دوڑے۔ وہاں جا کر پوچھا تو پنڈتوں نے کہا کہ واقعی فلاں وقت آگ لگ گئی تھی۔ کبیر صاحب پہنچے اور انھوں نے پانی ڈال کر اُس کو بجھا دیا جس وقت سانڈنی سواروں نے آ کر حال سنایا راجہ کو ندامت حاصل ہوئی اور وہ رانی کو ساتھ لیے ہوئے کبیر صاحب کے گھر پر پہنچا۔ اُن کا شاگرد ہو گیا اور اُس وقت سے اُس کی بھگتی کو پھر کمزوری کا کھٹکا نہیں رہا۔

جس وقت سکندر کو یہ حال معلوم ہوا اُس کو بھی تعجب ہوا۔ شیخ تقی بادشاہ کا گُرو بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے کہا یہ تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اس نے مُردوں کو زندہ کیا ہے اور دن میں کئی کئی سوانگ بناتا رہتا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو ایسی سزا ہونی چاہیئے جو منصور اور شمس تبریز کو ہوئی تھی۔

بادشاہ سکوت کی حالت میں بیٹھا ہوا سوچنے لگا۔ اپنے مرشد کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا اور لوگوں کو بھی اس بات کو سن کر تعجب ہوا مگر جو لوگ خیال اور خیال کی دھاو کے علم کو جانتے ہیں اُن کے لئے حیرت کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آدمی اپنے خیال سے

دُور دُور کی بات جان سکتا ہے اور خیال کی مدد سے دُور دُور پہنچ کر اپنی شکل اور صورت میں وہاں پرگٹ ہو کر عجیب و غریب کام کر سکتا ہے۔

جگنا تھ جی میں پرچار

جس وقت سے کبیر صاحب نے اٹکے کی آگ بجھائی تھی اُس وقت سے وہاں کے لوگ اُن کے معتقد ہو گئے تھے۔ جگنا تھ جی کے مندر میں اکثر بھجن گاتے ہیں، جو کون جانے کبیر صاحب ہی کا ہے یا یوں ہی کسی نے گھڑ لیا ہے۔ وہ بھجن اس طرح شروع ہوتا ہے۔

ٹھاکُر بھلے براجے جی
اُڑیسہ جگنا تھ پُوری میں ٹھاکُر بھلے براجے جی

جگنا تھ پُوری میں کبیر صاحب کا ایک مٹھ موجود ہے۔ جو لوگ درشنوں کو جاتے ہیں خواہ وہ کوئی ہوں، مٹھ پر جا کر کبیر کی نزانی کو پیتے ہیں جس میں روٹی کے ٹکڑے چاول کی پیچ میں تر کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ غالباً اسی زمانہ سے وہاں اُس کا رواج ہوا ہو۔

کبیر کسوٹی رام کی برلا ٹکے کوئے۔ یا کسوٹی وہ ٹکے جو مرجیوا ہوئے

کمال کو زندہ کرنا

کہتے ہیں ایک مرتبہ کبیر صاحب اور شیخ تقی گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کی طرف سے ایک مُردہ لڑکا بہا آتا تھا۔ کبیر صاحب نے کہا "کس راستہ سے ہو کر گیا اور کہاں ہے" (روح کیسے و کس راہ سے نکلی و کہاں ہے)۔ شیخ نے کہا "مجھ کو خبر نہیں۔ آپ ہی فرمایئے" یہ بولے "نہ کہیں گیا نہ کہیں سے آیا۔ جہاں کا تہاں ہے"۔ شیخ نے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو بلایئے"۔ کبیر صاحب مسکرائے بہتی ہوئی لاش کی طرف خیال کی دھار کو متوجہ کیا اور وہ ان کی طرف رجوع ہوئی۔ جب قریب آ گئی کبیر صاحب نے بغور اُس کو دیکھا۔ کان میں شبد کہا لڑکے میں حرکت آئی۔ اُس سے رونے کی آواز پیدا ہوئی۔ لڑکے کو دریا سے نکالا گیا شیخ نے کہا۔ "یہ تو آپ نے کمال کیا"۔ یہ بولے۔ "یہ خود کمال ہے۔ کمال حاصل کرنے سے

نہیں ملتا۔

جو لوگ روح اور خیال کے علم سے ناواقف ہیں وہ ان باتوں پر مضحکہ اڑاتے ہیں۔ خیال کی دھار کیا نہیں کر سکتی! ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ایک اژدر سانپ کو جھونسی میں دیکھا تھا جس نے ہمارے دیکھتے دیکھتے محض اپنی آنکھوں کی مقناطیسی طاقت سے اڑتے ہوئے پرند کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور اس کو نگل گیا تھا۔ اسی طرح روح کی دھار میں زندگی بخشنے کی طاقت ہے۔ ابھی تک دنیا میں ایسے لوگ کم ہیں جو علم خیال اور علم روح کی ماہیت سے واقف ہوں گے ورنہ یہ ساری باتیں قانون قدرت کے حیطۂ اقتدار میں ہیں۔ زمانہ ترقی پر ہے۔ خود بخود ان کا انکشاف ہوتا جا رہا ہے۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

لڑکا نونی ماتا کے حوالہ ہوا۔ اس نے اس کی پرورش کی اور اس کا نام ہی کمال مشہور ہوا اور یہ اپنے کو کبیر کا بالک کہا کرتا تھا۔ جس طرح اس کی شکل صورت اچھی تھی ویسے ہی سیرت کا بھی اچھا تھا۔

کمال کی روائتیں

حضرت کمال کے متعلق کئی روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں جب یہ ابھی لڑکے تھے ان کو دھوتی باندھنی نہیں آتی تھی۔ ہمیشہ کھل جایا کرتی تھی۔ کبیر صاحب نے فرمایا "بیٹے! دھوتی خوب کس کر باندھ لو" کمال نے پوچھا "سچ مچ کس کر باندھ لوں؟" یہ بولے "ہاں باندھ لو" کمال نے مضبوطی کے ساتھ لنگوٹی باندھ لی اور پھر گھر بار سے اداس رہ کر مجردانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ جب کبیر صاحب نے یہ حالت دیکھی۔ ہنسے اور یہ فرمایا۔

بوڑا بنس کبیر کا کہ جنمے پوت کمال

کمال کچھ اس قسم کے عالی دماغ اور باہمت انسان ہوئے ہیں کہ جیتے جی بھول کر بھی گرہست آشرم کا خیال نہیں کیا۔ ساری عمر گھومنے پھرنے میں بسر کی۔ کبھی کبھی کبیر صاحب کے درشن کو آجایا کرتے تھے۔ اس آدھے مصرعہ کی بابت ایک اور روایت عوام میں مشہور ہے اس موقع پر پورا دوہا بن جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورہ کے ایام میں کمال صاحب گوالیار میں کسی مہاجن کے یہاں مقیم ہوئے۔ اس نے دھن دولت دینا چاہا۔ انھوں نے ویراگ اور تیاگ کا ورت دھارن کر رکھا تھا۔ اس کی درخواست قبول نہیں کی۔ جب یہ سو گئے۔ تب دھوکہ سے مہاجن نے ایک ہیرے کا ٹکڑا ان کی چھوٹی سی پگڑی میں باندھ دیا۔ یہ بےخود تھے۔ کبھی خیال تک اس کا نہیں ہوا۔ آخر اسی حیثیت میں گھومتے پھرتے ہوئے کاشی جی میں پہنچے۔ جب سو رہے تھے کبیر صاحب کی نگاہ پگڑی کے پیچ کی طرف گئی۔ اس کو کھول کر دیکھا ہیرا بندھا ہوا تھا۔ اس وقت ان کے منہ سے دوہا نکل گیا۔

نام صاحب کا بیچ کر گھر لے آیا مال
بوڑا بنس کبیر کا جنمے پوت کمال

کمال کو خود ہیرا دیکھ کر تعجب ہوا۔ آخر اس مہاجن نے جو ان کے ساتھ درشن کے لئے آیا تھا اپنی غلطی کا اقرار کیا اور کبیر صاحب کو اطمینان کلی ہو گیا۔

کمال صاحب سخن بھی ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جذبات بہت اونچے تھے اور لطیف تھے۔ سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور وہ مذاق جو کبیر صاحب کی بانی میں عام ہے یہاں اس کا ذرا بھی کہیں پتہ نہیں ہے۔ ایک مست فقیر ہے جو ہمیشہ وجد و سرور کی حالت میں رہتا ہے اور دنیا اور ما فیہا سے بالکل بے خبر ہے۔ کمال کی شخصیت اس قسم کی ہے۔

ریختہ جناب صاحب کمال کا

تو ہی حور ہے تو ہی نور ہے تو ہی ہے پیر تو ہی پیغمبر
تو ہی ہے برہما تو ہی ہے شاہ ہنس تو ہی تو ہی بن اور تو ہی سرود
تجھ بن جل تھل تو ہی ہے تیرا انت نہ پایا کہیں
کہے کمال اس خیال کو ایک نام صاحب کا سو تو ہو تمہیں

منی کو مار کے دھنی کو یاد کر سدا یہ رنگ بے رنگ نہیں رہتا
کہے کمال کبیر کا بالکا دھوئے لے ہاتھ دریاؤ بہتا

شبد

اجر امر ابناشی صاحب نردیہی کیوں آیا
اتنی سمجھ بوجھ نہیں مورکھ آوے جاوے سو مایا
گانٹھ کھلی نہیں جڑ چیتن کی گیان کتھے بے انتا
ست استت کی خبر نہ آئی جانے نہ سنت اسنتا
سکھ نہیں دولت مال کھجانا سکھ نہیں باد بواد
سکھ ہے سادھ سنت کی پونجی لاگی سُرت سماد
من درپن بیچ مورت دیکھا دیکھا سکل پسارا
آپا آپ جان سب جانا جانا سار اسارا
گیانی گیان کتھے نس باسر وہ تو اتی اگیانی
تنک من کی کچھ سُدھ نہیں واکو آٹھ پہر ابھمانی
ساکھی سن لی مرم نہ پایا کھلے نہ نیتر بھیتر کی
سکھ آنند نیک نہیں ملیا دھرگ نر جنم جیتے کی
راجا دکھی دکھی بن باسی دکھی رنک بیپاری
گورو کرپا بھئی سادھ سکھی بھئے من چنچل کو جیتی
رام نام بھج نسدن بندے اور بھرم پاکھنڈ
باہر کے پٹ دے میرے پیارے کھلے سکل برہمنڈ
داس کمال کبیر کو بالک گورو کا بچ کر پیارا
شبد بھید کی چوٹ لگی جب پایا ست کرتارا

پدم نابھ جی

تیسری مثال پدم نابھ جی کی ہے۔ پدم نابھ کبیر صاحب کے عقیدت مند چیلوں میں سے تھے۔ ان کا گورو کے چرنوں میں سچا بھاو تھا۔ کبھی یہ بنارس میں رہتے تھے۔ کبھی یاترا پر چلے جاتے تھے۔ جب سفر سے واپس آتے تو سیر و سیاحت کے تجربے لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب درشن کے لئے حاضر ہوئے کہنے لگے۔ ناتھ ست نام کی مہما بہت ہے۔ ایک جذامی کوڑھی بنیا میرے پاس آیا۔ اپنی ناقص تندرستی کی شکایت کرنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا۔ اگر تو ست نام کا جاپ کر کے گنگا میں سنان کرے تو تیرا مرض جلد دور ہو جائے۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور چنگا ہو گیا۔ اُس سے ساری شکایت رفع ہو گئی اور وہ ہٹا کٹا ہو کر دوڑتا پھرتا ہے۔ سچ ہے مہاراج! نام بہت بڑی پدارتھ ہے۔ جو لوگ اُس کی قدر جانتے ہیں وہ دکھی نہیں ہوتے۔ میں نے اِن آنکھوں سے اُس کا پرتکش پربھاو دیکھا ہے۔

کبیر صاحب بولے۔ "پدم نابھ! ابھی تک نام میں تیرا عقیدہ اس قدر مضبوط نہیں ہے میں کہتا ہوں صرف ایک مرتبہ نام لینے سے بیڑا پار ہوتا ہے بشرطیکہ دل کی تمام خیالی طاقتیں اُس کے ساتھ شامل ہوں۔"

شبد

نام مہاندھی منتر نام ہی سیوا پوجا
جپ تپ تیرتھ نام، نام سم اور نہ دوجا
نام پرتیت (اعتقاد) نام بیر (دشمن) نام کہے نامی بولے
نام کٹا دے بندھ نام بندھن سب کھولے
نام ادھک رگھوناتھ سے رام نکٹ ہنومنت کہیو
کبیر کرپا سے پدم نابھ پرم پرچے لہیو

اُوپر کا شبد غالباً پدم نابھ ہی کا کہا ہوا ہے۔ کبیر صاحب کے دوبارہ کہنے سے اُن کا نشچے اور بھی دڑھ ہو گیا۔

ساکھیوں کے ذریعہ

اخلاقی تعلیم

نام جو رتی ایک ہے پاپ جو رتی ہزار
ایک رتی گھٹ سنچرے جار کرے سب چھار
ست نام کو سمرتے ادھرے پتت انیک
کہیں کبیر نہیں چھانڈیے ست نام کی ٹیک
نام جپت کشٹی بھلا چوئی چوئی بڑے جو چام
کنچن دیہی کس کام کی جا مکھ ناہیں نام

کبیر صاحب کی اخلاقی تعلیم اُن کی ساکھیوں میں ہے جس کا خوبصورت مجموعہ ہم نے اُردو میں شایع کر دیا ہے۔ اس سے بہتر ساکھیوں کا مجموعہ کہیں نہیں ملتا۔ کبیر صاحب کا بدعات اور فلسفہ بیجک میں ہے جس کی ٹیکا اُردو زبان میں ہم نے ہی کی ہے۔ اور کبیر صاحب کی چتاونیاں ان کی شبداولی میں ہیں۔ اسی کے سلسلہ میں سُرت شبد یوگ وغیرہ کا بھی بیان نہایت مختصر اور پُر رمز الفاظ میں آیا ہے۔

اخلاق کی موثر تعلیم بھی ایسی صاف سادہ اور پُر اثر لفظوں میں ہے کہ کیا عجب آدمی اُسے سُنے اور سچائی کا قایل نہ ہو جائے۔ بچوں جیسی میٹھی زبان شاعرانہ تشبیہات سے بھری ہوئی!

سانچ برابر تپ نہیں جھوٹ برابر پاپ
جاکے ہردے سانچ ہے تا کے ہردے آپ
جو تجھ کو کانٹا بووے تا ہی بوئے تو پھول
تجھ کو پھول کا پھول ہے اُس کو ہے ترشول
یہ جگ کو تھی آگ کی پھونڈس لاگی آگ
سادھو رہے سو اُبرے کرودھی رہے سو لاگ

دیا پُنیہ کا مُول ہے پاپ مُول مد مان
ترنے کو ہے دیتا بوڑن کو ابھمان
گج دھن، گو دھن، باج دھن اور رتن دھن کھان
جو آوے سنتوش دھن سب دھن دھول سمان

جب ویراگ اور چتاونی کا راگ چھیڑتے ہیں کیا مجال کہ دل پر چوٹ نہ لگے اور سُننے والے میں بویک اور بچار نہ پیدا ہو۔ کہتے ہیں:—

ویراگ کی تعلیم

جو آئے ہیں جائیں گے راجا رنک فقیر
ایک سنگھاسن چڑھ چلے یک بندھے جات زنجیر
رات گنوائی سوئے کر دوس گنوایو کھائے
ہیرا جنم اموِل تھا کوڑی بدلے جائے
ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب جگ جلتا دیکھ کر بھئے کبیر اُداس
آج کال کے بیچ میں جنگل ہوگا باس
اوپرے اوپر ہل پھریں ڈھور چریں گے گھاس
آگے دِن پاچھے گئے گورد سوں کیو نہ ہیت
اب پچھتائے ہوت کیا چڑیوں کھایا کھیت

جب بھکتی کی ریت سکھانے آتے ہیں یقینی ڈھارس اور تسلی دیتے ہوئے خاص قسم کی راسخ الاعتقادی کا حصہ بخشتے ہیں اور ایک نہیں سینکڑوں طریقے سے بھکتی بھاؤ کے جذبات کو اُبھار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:—

بھکتی کی تعلیم

کھیت نہ چھانڈے سُورما جُوجھے دو دَل ماہہ
آسا جیون مرن کی من میں راکھے ناہہ

اب تو جو جھے ہی بنے مُڑ چالے گھر دُور
سر صاحب کو سونپتے سوچ نہ کیجے سُور
سر راکھے سر جات ہے سر کاٹے سر سوئے
جیسے باتی دیپ کی کٹی اُجیاری ہوئے
سُور چلا سنگرام کو کبہوں نہ دیوے پیٹھ
آگے چل پاچھے پھرے تاکا مُنہ نہیں دیٹھ

کبیر کبیر ہی تھے

اس باکمال رُوحانی معلم کی مثال اور کوئی کہاں تک دے۔ کبیر سچ مچ کبیر تھے۔ کبیر بس اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ کوئی دوسرا کبیر ہو تو اُس کا مقابلہ کرایا جائے۔ ہر پہلو سے لاثانی، ہر نظر سے لامثال! کبیر ایک ہی تھے، ایک ہی ہیں اور ایک ہی ہوں گے۔ دُنیا نے دو کبیر نہیں پیدا کئے۔ کہنا سُننا اور بات ہے۔ ہر شخص کو اپنے مذہب کا پاس اور تعصب ہوتا ہے۔ اگر کوئی مالک کا سچا فرزند بے تعصب بن کر کبیر صاحب کا درشن کرنے آوے تب ایشور یا خدا کے پُوجنے والوں کو اصلی جلال اور جمال کی نرالی شاندار صورت نظر آوے۔ ویسے کسی کو کیا کہا جائے۔ ان کے لاثانی کلام رشیوں کی شرتی راگ اور اُپنشدوں کے مستانہ زوردار نغموں پر بھی فوق لے جاتے ہیں۔ ان کا اور اُن کا مقابلہ کیا ہے! یہ مستی اور یہ وجد، یہ شوخی اور یہ سچی بے باکی اور جگہ کہاں ملتی ہے!

پریم کے مضمون پر جب راگ الاپنے پر آجاتے ہیں در و دیوار وجد کی صدا سے گونج اُٹھتے ہیں۔ آسمان اور زمین تھرتھرا اُٹھتے ہیں، ہُو کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

پریم کی تعلیم

پریم پیالہ جو پیئے سیس دکشنا دے
تو بھی سیس نہ دے سکے نام پریم کا لے
پریم پیالہ بھر پیا راچ رہا گورو گیان
دیا نگارا شبد کا لال کھڑے میدان

پریم پریم سب کوئی کہے پریم نہ چینہے کوئے
آٹھ پہر بھینا رہے پریم کہاوے سوئے
آیا پریم کہاں گیا دیکھا تھا سب کوئے
چھن روئے چھن میں ہنسے سو تو پریم نہ ہوئے
غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ
وہ موتی کیا پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

سُمرن دھیان بھجن کی صراحت پر جب آتے ہیں اس طرح موثر بانی سُناتے ہیں کہ س میں اور اصلاح ترمیم یا اضافہ کرنے کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہتی۔ نابھاجی اور لسی داس جی کا کہنا صحیح ہے کہ کبیر صاحب سے بہتر شخصیت دُنیا میں نہیں آئی۔ جو کہنے ے تمام و کمال کہہ ڈالا۔ کسی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ سُمرن کے بارہ میں یوں ارشاد کرتے ہیں

سُمرن کی تعلیم

سُمرن سوں سُکھ ہوت ہے سُمرن سوں دُکھ جائے
کہیں کبیر سُمرن کئے سائیں ماہیں سمائے
راجا رانا راؤ رنک بڑا جو سُمرے نام
کہیں کبیر سب سے بڑا جو سُمرے نہہ کام
سُمرن کی سُدھ یوں کرو جیسے کامی کام
کہیں کبیر پکار کے تب پرگٹے بج نام
سُمرن کی سُدھ یوں کرو جیوں گاگر پنہار
ہالے ڈولے سُرت میں کہیں کبیر بچار
سُمرن کی سُدھ یوں کرو جیوں سُرہی سُت ماہہ
کہیں کبیر چارا چرت بسرت کبہوں ناہہ
سُمرن کی سُدھ یوں کرو جیسے دام کنگال
کہیں کبیر بسرے نہیں پل پل لیت سنبھال

سُمرن کی سُدھ یوں کرو جیوں سُوئی میں ڈور
کہیں کبیر چھوٹے نہیں چلے اور کی اور
سُمرن سوں من لائیے جیسے ناد کورنگ
کہیں کبیر بسرے نہیں پران تجے تیہی سنگ
سُمرن سوں من لائیے جیسے کیٹ بھرنگ
کبیر بسارے آپ کو ہوئے جائے تیہی رنگ
سُمرن سوں من لائیے جیسے دیپ پتنگ
پران تجے چھن ایک میں جرت نہ موڑے انگ
سُمرن سے من لائیے جیسے پانی مین
پران تجے پل بچھڑے ست کبیر کہہ دین
سُمرن سُرت لگائے کر مُکھ تے کچھو نہ بول
باہر کے پٹ دیئے کر انتر کے پٹ کھول
سانس سانس پر رام کہہ پران جائیں گے چھوٹ
گھر کے ہتت سنت سوارتھی سب ہی لیں گے لوٹ

ہاں سادھنا سکھانے میں البتہ رازداری کر جاتے ہیں۔ وہ کام حضور معلّیٰ و مقدس کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ وقت وقت کی بات ہے۔ اُس وقت وہی موج تھی۔ اب اس وقت کی موج کچھ اور ہے۔ وقت کے سب سے بڑے سنت ستگورو وقت نے مصلحتِ وقت اور مقتضائے وقت سے کام لیا۔ دھنی دھرم داس جی کو بھید کے گُپت رکھنے کی تاکید کی کیونکہ ابھی ظاہر کرنے کی موج نہیں تھی۔ اب یہ وقت پرگٹ کرنے کا ہے۔ اب کبیر صاحب کی موج نے دوسری صورت اختیار کر لی مگر اشارہ اشارہ میں سب کچھ کہہ گئے۔ یہاں بھی چُوکے نہیں۔ چند ساکھیاں ملاحظہ ہوں۔

شبد مہما

شبد ہی مارے مر گئے شبد ہی تجیا راج
جو یہ شبد پچھانیا تا کا سریا کاج

شبد گورو کو کیجئے بہتیک گورو لبار
اپنے اپنے بوجھ میں ٹھور ٹھور بٹمار
شبد ہمارا ہم شبد کے شبد ہی لیجیے پرکھ
جو تو چاہے مُکتی کو اب مت جائے سرک
شبد ہمارا ہم شبد کے شبد برہم کا کوپ
جو چاہے دیدار کو پرکھ شبد کا روپ
شبد شبد سب کوئی کہے شبد کے ہاتھ نہ پاؤں
ایک شبد اوشدھی کرے ایک شبد کرے گھاؤ
شبد ہمارا آدی کا پل پل کرئے یاد
انت پھلیگی ماہنہ کی باہر کی برباد
شبد بنا سُرت آندھری کہو کہاں کو جائے
دوار نہ پاوے شبد کا پھر پھر بھٹکا کھائے
ایک شبد سُکھ راس ہے ایک شبد دُکھ راس
ایک شبد بندھن کٹے ایک شبد گلے پھانس

کوئی کہاں تک کہے۔ ہم نے جو ساکھیوں کا مجموعہ تیار کیا ہے اس میں ایک سو سے زیادہ مضامین آئے ہیں اور کسی کسی مضمون کے دوہوں کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی ہے اگر اور نمونے دیتے ہیں تو علیحدہ کتاب بن جائے گی۔ اس لئے جس کو ضرورت ہو اُسی کو منگا کر اپنی تشفی کرے اور اگر وہ پڑھا لکھا آدمی ہے تو خود ہی سوچ سمجھ کر اپنے لئے نتیجہ اخذ کرے

اس طرح جیووں کو ہزار ہی طریقوں سے چتایا گئے۔ جیوا تتوا کو اور اُپدیش دیا اور دانشمندانہ حکمتِ عملی سے کام لیا۔ سربانند یا سرباجیت کی چتاونی اور طرح پر کی گئی۔ دھرم داس جی کو کچھ اور ہی بتایا۔ دوسرے پرانیوں کو اپنی طرف اور ہی ڈھنگ سے رجوع کیا۔ اصول تو ہر جگہ ایک ہی ہے۔ ہاں طرز بیان میں اختلافات ہیں۔ جس کو جیسا دیکھا اُسی کے ادھکار کے موافق اُسے تعلیم دی۔ کبیر صاحب کے یہاں سب دھان بارہ پنسیری

نہیں بکتے۔ یہاں ہر شخص کے ادھکار اور سنسکار کو مدِّ نظر رکھا جاتا ہے۔ چھوٹے برتن میں تھوڑی چیز اور بڑے برتن میں زیادہ چیز رکھتے تھے۔ پاترا اور کُوپاتر یعنی اہلِ ظرف کو پرکھتے تھے۔ بغیر ظرف دیکھے ہوئے زبان نہیں کھولتے تھے اور یہی سبب ہے کہ اپنی زندگی ہی میں کشمیر سے لے کر راس کماری اور دوارکا سے لے کر پوری تک اپنا عمل دخل کر لیا۔ کونسی جگہ ہے جہاں کے آدمی کبیر صاحب کے کلام سے ناآشنا ہیں اور کون مقام ہے جہاں اُن کی صدا آواز بازگشت بن کر نہیں گونجتی۔ کسی مذہب کسی طریق اور کسی پنتھ یا سمپردا کا معتقد ہو کبیر صاحب کے شبد سب کو پیارے لگتے ہیں اور اُس کا سبب ہے۔ کبیر صاحب خاص طور پر دُنیا میں جیووں کو چتانے کے لئے آئے ہوئے تھے مگر زمانہ نازک تھا۔ اختلافات کا طوفان بے تمیزی ہر جگہ برپا تھا۔ وہ قیمتی تعلیم صرف بھارت ورش تک گونج کر رہ گئی۔ اس طرح اُس کا رواج اور ملکوں میں نہیں ہوا۔ یہ سچ ہے اور شاید سچ بھی ہوگا کہ وہ بلخ اور بخارا تک دَورہ کرتے رہے۔ مگر ہمارے پاس اُس کا کوئی تواریخی ثبوت یا مستند نوشتہ نہیں ہے۔ کبیر صاحب کو اُس وقت صرف رشیوں کی اولاد کو چتانا منظور تھا۔ مگر اب اُس قیمتی اور طلائی تعلیم کے دُور دُور تک پہنچانے کا وقت آ گیا ہے۔ کبیر صاحب نے حضور معلّیٰ دو مقدس کی صورت میں اپنا ظہور کیا اور اب دُنیا کی تمام زبانوں میں اُن کے کلام کے ترجمے ہو گئے اور ہو رہے ہیں اور کبیر صاحب کے پیارے ہنس ہر جگہ نزدیک اور دُور پہنچ کر تمام عالم کو اُن کی تعلیم کے فیض کی میراث بخشیں گے۔ یہ جولاہے کا تانا بانا ہے جو سارے عالم میں تنا جائے گا۔ کوئی بھول کر بھی یہ نہ سمجھے کہ یہ تانا بانا محدود رہے گا۔ یہ عجیب و غریب قسم کا جولاہا کسی خاص مشن کو لے کر دُنیا میں آیا تھا۔ ابتدا ہو گئی ہے اور آئندہ امن و امان کے زمانہ میں نہایت وسیع پیمانہ پر اُس کی اشاعت ہوگی۔ آپ خود بطور پیشین گوئی بیجک میں اس طرح فرما گئے ہیں:-

جولہا بیٹھو ہو ہری ناما جاکے پُر زمُنی دھریں دھیانا
تانا تنئے کا اُدھیا لینھے چرکھی چار دل دیدا
سر کھونٹی ایک رام نراین پورن کام ہی مانا

بھو ساگر ایک کٹھوت کینھوں تا میں مانڈی سانی
مانڈی کو تن مانڈی راہتو ہے مانڈی برلا جانی
تربھون ناتھ جو مانجن لاگے شیام مُرریا دینا
چاند سورج دوئی گاڑا کینھو ماجھ دیپ کیا تانا
پائی کری کے بھرنا بینھو دے باندھے کو راما
وے آئے بھری تینھوں لوک کے باندھے کوئی نہ رہے اُبانا
تین لوک ایک کرگہہ کینھو ڈگمگ کینھو تانا
آدی پُرش بیٹھاون بیٹھے کبیرا جوتی سمانا

اِس شبد سے صاف ظاہر ہے کہ کبیر صاحب اُس وقت تک آرام سے بیٹھنے والے نہیں ہیں جب تک وہ اپنے ہنسوں کو چِتا نہ لیں گے۔ اُن کے بے شمار روپ ہیں۔ کون جانے وہ کس کس جگہ کس کس روپ سے چتاتے ہیں۔ افسوس ہے اُن پنتھائیوں پر جو پہلے وقت کے سنت ستگور سروپ کا اِن صورتوں میں درشن نہیں کرتے اور فضول توہمات میں پڑ کر اپنا اور دوسروں کا نقصان کیا کرتے ہیں۔ بھائیو! ہٹ دھرمی چھوڑو کیا کبیر صاحب کی بانی پر بھی تم کو یقین نہیں آتا۔ آخر ہم خود کیا ہیں؟ ہم کیا کہتے ہیں؟ اور تم کو کیا سُناتے ہیں؟ وہی جذبات، وہی خیالات، وہی نغمات وہی بانی وہی کلمات! اگر اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں تو ہم کیا کریں اور کیا کہیں! کہتے کہتے وقت چلا جا رہا ہے۔ عمریں گذرتی جا رہی ہیں۔ برسوں یوں ہی بے کام ضایع کر رہے ہو! کچھ سوچو تو سہی۔ یہ کیا کیا جا رہا ہے! آنکھوں کو کھولو اور اپنے نزدیک دیکھو۔ کبیر صاحب دُور نہیں ہیں۔

لوگ تجہیں دُور گئے کبیرا یہ متی جانے کوئی کوئی دھیرا

ہم خود کبیر صاحب ہی کے ارشادات کا اعادہ کر رہے ہیں۔ ہم اُن سے جُدا کب ہیں۔ ہم اُن سے باہر کیسے سمجھے جاتے ہیں! ہاں تعصب اور ہٹ دھرمی بیجا وہم اور بیہودہ مغالطوں کے پردوں کو کیا کیا جائے! وہم کا بھوت جب تک سر پر سوار ہے وہ راستی کے راہ میں آنے نہیں دیتا۔

چتاتے چتاتے ۱۲۰ برس کی عمر ہو گئی۔ کال کی رچنا میں ہر شخص کو اُس کا ٹیکس دینا ہی پڑتا ہے۔ یہ قانون ہے اور اٹل قانون ہے۔ گپت ہونے کی سوجھی۔ تب

بیجک

جگو جی نے درخواست کی "مہا پربھو! آپ کے کلام منتشر ہیں۔ کہیں کہیں بھگتوں نے کینتھی اکشروں میں شبد اور بانیوں کو لکھ لیا ہے مگر وہ غیر مکمل ہیں۔ کیا کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ تمام کلام قلمبند ہو جائیں جو آئندہ متلاشیٔ حق کے رگِ خیال کو حرکت دیتے رہیں۔" آپ مسکرائے۔ "ہم شبد سروپ اور کلام مجسم ہیں۔ کسی کو کیا لکھائیں۔ جب بولتے ہیں ہی بات اور وہ صرف موقع موقع کی! جب تک پھر وہی موقع نہ ملا تو آپنے اُن کو کیا لکھا جائے۔" آخر جگو جی کے اصرار کرنے پر بیجک کی تمام بانی از سرِ نو لکھانا شروع کیا اور وہ مکمل کتاب اُس وقت تک ادھوری پڑی رہی جب تک وہ مگھر میں جا کر گپت نہیں ہوئے۔ اس کی ایک نقل دھنی دھرم داس جی نے رکھ لی تھی اور جگو جی اور دھرم داس کے بیجک میں پھر آخری بانی کا اضافہ کیا گیا جو آپ نے گپت ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بیجک ریواں کے شاہی خاندان کو بھی عطا ہوئی تھی مگر اس کی نقل کس نے اُتاری تھی اور کس وقت کس راجہ کو بخشی گئی تھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ تاہم سوا ایک شبد کے ادل بدل کے یہ تینوں بیجک قریب قریب ایک ہی ہیں۔ یہ جزوی اختلافات قابلِ قدر بھی نہیں ہیں۔ بیجک ہی کبیر پنتھیوں کا مستند مذہبی کتاب ہے۔

آخری عمر

جب کبیر صاحب کی عمر بہت ہو گئی، جسم کمزور پڑ گیا مگر دل ویسا ہی مضبوط تھا۔ جس وقت مالک کی مہما کا راگ گاتے تھے در و دیوار سے وجد کی بارش ہونے لگتی تھی سب تصویرِ حیرت بن جاتے تھے۔ واہ رے کبیر!

جہاں سنت تہاں پرگٹ جنائی۔ جہاں اسنت تہاں گپت رہائی

دُنیا نے حقیقت کا جلوہ دیکھ لیا۔ سچائی کا ظہور ہو گیا۔ مالک کا رُوپ اپنا درشن دکھا گیا۔ کسی نے پہلے کہا ہے کو نورِ صداقت کی جھلک اس آب و تاب کے ساتھ دیکھی تھی

حیرت حیرت حیرت ہوئی حیرت رُوپ دھر ایک سوئی

پرم گورو دُنیا میں آئے۔ چیلا بن کر بھگتی اور پریم کی ریت سکھا گئے۔ اندھوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ بہروں نے اپنے کانوں سے ست نام کا پیغام سُن لیا۔ اَن دیکھی چیز کا رُوپ نظر میں آ گیا۔ اَن سُنی بانی کانوں سے سُنی گئی۔ در و دیوار حقانی راگ کی صدا سے گونج اُٹھے۔

جگ آئے گورو دیو پریم کی راہ بتائیا
مارگ اپی چل اگم کا سب کو دکھلائیا
سُرت شبد کا پنتھ دیال چلائیا
سنت سندیش کرپال کرپا سے سُنائیا

لوگ لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پھنسے تھے سب کا پھند کاٹ دیا اور بری کر دیا۔ جیووں کو بتایا، ست نام اور چیز ہے۔ یہ پستک باچنے اور شاستر ارتھ کرنے سے نہیں ملتا۔ ہزاروں اور لاکھوں ہنس چیت گئے اور دیکھتے دیکھتے دُنیا میں پرمارتھ کا پرواہ پھیل گیا۔

ایک دن آپ کچھ فرمانے لگے۔ آدی گرنتھ صاحب میں اُس شبد کو شری ارجن دیو نے محفوظ کیا ہے۔ اُس کا اُردو ترجمہ اس طرح پر ہے:-

"مجھ سے بنارس چھوٹا۔ اب شریر کمزور ہے۔ شیو پوری میں میری زندگی ختم ہوئی مرتے وقت میں اُٹھ کر گھر آیا۔ اے میرے سوامی! میں بیراگی اور یوگی ہوں۔ مرتے وقت مجھ کو دُکھ نہیں ہے۔ نہ میں تجھ سے علیحدہ ہوں۔ من اور سانس کدو میں ستار برابر بجتا ہے۔ تار مضبوط لگے ہوئے ہیں۔ وہ ٹوٹنے والے نہیں ہیں اور بین سے بغیر تار چھیڑے ہوئے صدا برآمد ہو رہی ہے۔ اے دُلہن اگما ڈگا ڈ۔ برکت کا سوہاونا

راگ چھیڑ دو۔ راجہ رام میرا بھرتار میرے گھر آیا۔"

کاشی اور مگہر

سیوک چاہتے تھے کہ کاشی میں شریر تیاگ کیا جائے کیونکہ زیادہ تر یہاں ہی اُپدیش کا کام ہُوا ہے۔ اُنھوں نے کہا "جو کاشی میں مرتے ہیں آسانی سے سورگ جاتے ہیں۔ مگہر میں مرنے والوں کا کبھی آواگون نہیں چھوٹتا۔ گدھے کی جونی ملتی ہے۔"

ضعیف الاعتقادی نیز ناس ہو! یہ خیال غالباً ہندوؤں میں بدھ بھگوان کی وجہ سے پیدا ہوا ہوگا کیوں کہ اُن کی تعلیم کا سلسلہ زیادہ تر مگدھ دیش میں ہی رہا۔ گو بنارس میں آکر اُنھوں نے بھی دھرم چکر کو گردش دی تھی۔

کبیر صاحب نے سیوکوں کی تاڑنا کی۔ "یہ کیا بیہودہ خیال ہے۔ تم میں رام کی شکتی کا وشواس نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو۔ کاشی شیو پوری ہے۔ اس کے باہر مرنے سے رام اپنے سیوک کا اُدھار نہ کر سکیں گے۔

لوگا سب متی کا بھورا رے
جو کاشی تن تجے کبیرا رامے کون نہورا رے
تب ہم ویسے اب ہم ایسے یہی جنم کا لاہا رے
جیوں جل میں جل پیٹھ نکستو ڈھور ڈھور رکت چاہا رے
رام بھگتی پر جا کو ہت چت تا کو اچرج کاہا رے
گورو پرتاپ سادھ کی سنگت جگ جیتے جات جولاہا رے
کہیں کبیر سنو میرے سنتو! بھرم پڑو مت کوئی
جس کاشی تیس مگہر اُوسر جو ہردے رام ست ہوئی

چلتے چلتے بھی کبیر صاحب نے ہندوؤں کی ضعیف الاعتقادی و باطل پرستی کو ایک اور دھکا دیا اور آپ اُٹھ کر مگہر چلے آئے اور وہاں شریر تیاگ کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک خلقت جمع ہو گئی۔ ہزاروں آدمی اکٹھے ہو گئے۔ لوگوں نے سُنا۔ وہ نور جو دنیا کو

روشن کرنے آیا تھا اب اُجالا کرنے کے بعد غائب ہونے کو ہے۔ سب اُٹھ کھڑے ہوئے آخری درشن کی لالسا تھی اور دیکھتے دیکھتے بھیڑ لگ گئی۔ کوئی روتا تھا۔ کوئی کھڑا ہوا سسکتا تھا۔ ہائے اب ہم کو کون چتائے گا۔ کبیر اب دُور دیس کو جا رہے ہیں۔ رام تیری گتی نرالی ہے!

آپ نے سر اُٹھایا۔ بولے:-

لوگ کہیں دُور گیا کبیرا — یہ مت مانے کوئی دھیرا
دشرتھ سُت تہو لوک ہی جانا — رام نام کا مرمے آنا
جیسی جیہ جانی پر اجس لیکھا — رجو کی کہے اُرگ جو پیکھا
بدپی پھل آتم گن جانا — ہری تیاگ من مکتی نہ مانا

مرتے مرتے یہ دوسرا اُپدیش تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ "لوگ کہتے ہیں۔ کبیر دُور چلے گئے۔ اس کی سمجھ شاذ کسی عقلمند آدمی کو ہو گی۔ تین لوک کے آدمی رام کو دشرتھ کا لڑکا سمجھتے ہیں حالانکہ رام نام کا مطلب دوسرا ہے۔ جس کی جیسی عقل ہے وہ ویسا ہی یقین کرتا ہے۔ رسی کو دیکھ کر سانپ کا بھرم ہوتا ہے۔ (اور انسان ڈر جاتا ہے) گو اچھی کرنی کرنے سے اچھے پھل پراپت ہوتے ہیں۔ مگر ہری کے تیاگ سے مُکتی نہیں ملتی۔ میرا من ایسا ہی سمجھتا ہے۔"

لوگ بولے۔ "ہائے حضور! آپ مر رہے ہیں دل کو کیسے ڈھارس آئے؟"

آپ نے فرمایا:-

ہم نہ مریں مریہے سنسارا — ہم کو ملا جیاون ہارا
اب نہ مروں مرنے من مانا — مرے سوئی جو نام نہ جانا
ساکت مریں سنت جن جیویں — بھری بھری نام رساین پیویں
ہری مریں تو ہم ہوں مریہیں — ہری نہ مرے ہم کا ہے مریہیں
کہیں کبیر من من ہی ملاوا — امر بھئے سکھ ساگر پاوا

تشریح۔ ہم نہ مریں گے دنیا مرے گی۔ کیوں کہ ہم کو زندگی دینے والا مل گیا ہے۔ اب میں

نہیں مرتا۔ کیونکہ مرنا خیالی ہے۔ جو من سے مرنا مانتا ہے۔ وہی مرتا ہے۔ مرتا ہے وہ جو نام کو نہیں جانتا۔ ادھرمی مرتے ہیں۔ سنت ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور نام کے امرت کا پیالہ بھر بھر کر پیتے ہیں۔ اگر مالک مریں تو ہم بھی مریں۔ جب وہ نہیں مرتا تو پھر ہم کیسے اور کیونکر مریں گے۔ کبیر کہتے ہیں۔ اچھی طرح من کو ملا کر دیکھ لیا۔ ہم امر اور زندۂ جاوید ہو گئے اور خوشی کا ساگر ہم کو مل گیا۔"

رونا پیٹنا کیسے بند ہو سکتا ہے۔ جوں ہی ستگورو نے زمین پر لیٹ کر چادر اوڑھ لیا کہرام مچ گیا۔ ہچکیاں لگ گئیں۔ شور محشر برپا ہوا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں بولے "کیوں چلاتے ہو۔ تم کو شریر سے پریم ہے یا کبیر سے پریم ہے۔ کبیر شریر دھاری نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ شریر کے خیال سے تم کو مگھر میں مرنے کا ڈر ہے اور ظاہری جدائی سے رنج ہے۔ دونوں فضول خیال ہیں۔ جو پیدا ہوتا ہے مرتا ہے، جو آتا ہے وہ جاتا ہے۔ کبیر کے اصلی روپ کو سمجھو۔ شریر پر مت جاؤ۔ سنو:-

لوگو تم ہی متی کے بھیرا

جو پانی پانی میں مل گیو — تیوں دھوری (خاک) ملے کبیرا
جو میتھل میں سچا باس — توہی مرن ہوئے مگھر باس
مگھر مرے مرن نا پاوے — انتے مرے تو رام لجاوے
مگھر مرے سو گدھا ہوئی — بھل پرتیت رام کی کھوئی
کیا کاشی کا مگھر اوسر — ہردے رام بسے میرا
جو کاشی تن تجے کبیرا — تو رامے کون نہورا

مہاراج نے کہا "شانتی کرو۔ میں دور نہیں جا رہا ہوں۔ میں انیک روپ میں گند ہوں گا اور میرے ہنس ہمیشہ جیووں کا ادھار کرتے رہیں گے۔"

یہ کہہ کر آخری دفعہ یہ شبد پڑھا۔ کہاں مرنے کا وقت اور کہاں حقانی راگ کی صدا! حیرت ہے۔

دولہنی گاؤ منگل چار
ہم گھر آئے راجا رام بھرتار

تن رت کرہوں من رت کرہوں — پانچوں تتو براتی
رام دیو میرے پاہن آئے — میں جوبن مد ماتی
شریر سروور بیدی کرہوں — برہما وید اچارا
رام دیو سنگ بھانور لینہے — دھن دھن بھاگ ہمارا
سرت تینتیسو کوتک آئے — منی جن سہس اٹھاسی
کہیں کبیر ہم بیاہ چلے ہیں — پرش ایک ابناشی

گا کر چادر تان لی۔ دیکھتے دیکھتے اس کمل پرش نے جو لہرتارا تالاب کے کنول کے پتوں پر کھیلنے آیا تھا کنول روپی آنکھوں کو بند کر لیا۔ جو نرے جو منڈلاتے تھے بھونچک رہ گئے۔ اوگت دیش سے آیا ہوا پرش اوگت نگر کو واپس گیا۔ رام نام ست ہے۔ رام نام ست ہے پھر رونے کی صدا بلند ہوئی۔ مگر رونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ چراغ حقیقت جس مقصد کے لئے روشن ہوا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا۔ اب کیا چاہتے ہو۔

مگھر کاشی سے چھ منزل ہے۔ یہ گورکھپور کے قریب بلتا کے ضلع میں واقع ہے گورو کی رخصت ہونے کی خبر سن کر بڑے چھوٹے سبھی سیوک آ گئے تھے۔ ان میں راجہ بیر سنگھ بھی تھا اور نواب بجلی خاں رئیس بھی تھا۔

جس وقت ہندوؤں نے ان کی لاش جلانے کا ارادہ کیا بجلی خاں نے کہا۔ میں ایسا نہ ہونے دوں گا۔ میں ان کی لاش محمدی شریعت کے موافق دفن کروں گا۔ بیر سنگھ بولا۔ یہ نہ ہونے پائے گا۔ لاش تو جلائی جائے گی۔ دونوں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے افسوس! ہندو مسلمان کا جھگڑا پھر بھی باقی رہ گیا۔ نادان اب بھی گورو کو ہندو و مسلمان سمجھتے رہے۔ پتھر پڑیں اس سمجھ پر!

قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہتیں۔ اتنے میں ایک پرش نے نرگٹ ہو کر کہا "نادانو جس جھگڑے کے مٹنے کے لئے اپدیش کا سلسلہ جاری ہوا تھا وہی پھر برپا ہے۔ چادر

اُٹھا کر پہلے دیکھو۔ پھر آپس میں لڑنا جھگڑنا"۔ جب کپڑا الگ کیا گیا اُس کے تلے صرف پھول کا ڈھیر نظر آیا۔ سب متحیر ہو گئے۔ کمل کے پتے پر کھیلتے ہوئے آئے اور پھول ہی کی شکل میں گپت ہو گئے۔

پھول کو ہر دو فریق نے آدھے آدھ تقسیم کر لیا۔ بجلی خاں نے جو کبیر صاحب کا شاگرد تھا اُن کو زمین میں گاڑ دیا اور اُس پر ایک عالی شان روضہ تعمیر کر دیا گیا جو اب تک مگہر میں موجود ہے اور ہندو مسلمان دونوں کی زیارت گاہ ہے۔ آدھا حصّہ بنارس اُٹھ کر آیا۔ بیر سنگھ نے اُس کو جلایا۔ کبیر چورا کے نام سے ایک سمادھی بنوائی جس کے درشن کے لئے دُور دُور سے آدمی جاتے ہیں۔

مایا مار من مار یا راکھا امر شریر
آسا ترشنا مار کے تھر ہوئے رہے کبیر
موٹی مایا سب تجیں جھینی تجی نہ جائے
پیر پیغمبر اولیا جھینی سب کو کھائے
سمت پندرہ سو پچھتر کیا مگہر کو گون
ماگھ سُدی ایکا دسی ملا پون میں پون

کبیر کی تعلیم جتنی دُنیا تک زندہ رہے گی

یہ کبیر صاحب کے پُر از واقعات زندگی کے مختصر حالات ہیں لیکن یہ بطور خود نہ مکمل ہیں اور نہ کبیر صاحب اصل میں گپت ہی ہوئے ہیں۔ کبیر نام ہے پرم تتو اور اصلی جوہر کا۔ وہ جوہر محیط کل ہے جو ہر جگہ ناظر اور حاضر ہے اور چونکہ اُسی نے دیا کا روپ دھارن کر کے اپنے کو پرگٹ کیا تھا اُس وقت کی عارضی صورت کو تم گپت کہہ لو مگر وہ گپت نہیں ہے۔ دیا ہی دیال پرش کا اصلی روپ ہے اور وہ کبیر صاحب کے تمام شبد اور ساکھیوں میں مجسم بن کر اُس وقت تک ویسے ہی جیووں کو چتانے کا اہتمام کرتا رہے گا جب تک ایک بھی حقیقت کا شیدائی اور معرفت کا سودائی اُس کا خواہشمند رہے گا۔ ست جگ، ترینا، دواپر، کلی یگ

کلپ کلپانتر اور منونتروں میں کبیر صاحب ہمیشہ دیکھنے والوں کو درشن دیتے رہیں گے اور جن کو اُن کا درشن کسی روپ میں بھی ہوتا رہے گا اور ہوا کرے گا وہ نہ اُن کے منکر ہونگے اور نہ اُن کے گپت ہونے کے واقعہ پر یقین کریں گے۔

ایک روپ دھر ہے انیک ٭ اور انیک میں سمجھو ایک
وہ دیا پک وہ سرب آدھار ٭ دیکھے جا کے من بویک

ہمارا نصب العین

اُس وقت کے سنت ستگور پرم سنت کبیر صاحب کے مختصر حالات سنا کر ہم اب اُن کی اس تعلیم کا خاکہ کسی قدر ناظرین کی آنکھوں کے سامنے کھینچ کر پیش کرنا چاہتے ہیں جو اُنھوں نے خاص خاص موقعوں پر خاص خاص شاگردوں کو دی تھی۔ بیان ہمارا اپنا ہوگا اور اس میں جو قصّہ کہانی شامل کئے جائیں گے اُن کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ اصل مطلب کسی طرح پڑھنے والوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ فلسفہ کو سب خشک اور بے مزہ بتاتے ہیں حالانکہ کبیر صاحب کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی رسیلی ہے۔ قصّہ کہانیوں کے شمول سے وہ بہ آسانی سمجھ میں آ جائے گی اور اُس کے جوہر کے جذب کرنے میں سہولیت ہو گی اور طرح ذرا دقّت ہوتی ہے۔

اس دیباچہ میں اس قدر اور عرض کر دینے کی ضرورت ہے کہ کبیر جوگ میں کبیر صاحب کی تعلیم کے سلسلہ میں نانک جوگ اور رادھا سوامی جوگ نامی دو جلدیں اور بھی شائع ہوں گی جن میں گورو نانک صاحب اور حضور رادھا سوامی صاحب کی تعلیم پر روشنی ڈالی جائیگی۔

اُمید ہے جو حضرات اس سلسلہ کو تمام و کمال پڑھیں گے اُن کو سنت مت سے نہ صرف دلچسپی پیدا ہو گی بلکہ وہ اس کے طفیل ہر قسم کے مذاہب کے اُصول سے باخبر ہو جائیں گے اور بھگتی اور گیان کے پاتر بنیں گے۔ آج کل ست سنگ دُرلبھ ہے۔

سُت دارا اور لکشمی سب کا ہُو کے ہوئے
سنت سماگم ہری کتھا دُرلبھ جگ میں سوئے

یہ سلسلہ اس کمی کے پورا کرنے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے۔ سب سے پہلے حضور مہتی و مقدس نے

پریم پتر رادھا سوامی نامی ایک ششماہی رسالہ نکال کر دُور رہنے والے ست سنگیوں کے گھر بیٹھے ست سنگ کرانے کی تجویز سوچی تھی۔ ہم نے بھی اس وقت اُنہیں کے قدم بہ قدم تبلیغ کرتے ہوئے مختلف شکل میں اُس کا اہتمام کیا ہے اور کیسے تعجب کی بات ہے جس وقت ہم پُورن دھنی حضور مہاراج کی خدمت میں پہنچے اسی وقت پریم پتر کے جاری ہونے کا خیال بھی پیدا ہُوا۔ مکرمی اور قابلِ تعظیم رائے مادھو پرشاد سنگھ صاحب نے یہ تجویز پیش کی حضور نے مرحوم چاچا پرتاپ سنگھ جی اور گورومکھ پنڈت ترہمبک شنکر صاحب ایم۔ اے سے ہماری ملاقات کراتے ہوئے زبانِ مبارک سے ہماری نسبت یہ فرمایا تھا کہ یہ بہت بڑا لکھنے والا مصنف ہوگا۔ ہم کو تو نشان وگمان تک نہیں تھا کہ یہ پیشین گوئی کی جا رہی ہے۔ اُس وقت لکھنے کا خیال بھی دل میں نہیں تھا مگر کبیر صاحب فرما گئے ہیں۔

بِدی کو بینج گھٹے نہیں　جو گھن جُٹیں گھمنڈ
سادھ بچن پلٹے نہیں　پلٹ جائے برہمنڈ

اور کسی کا دھیان حضور مہاراج کے بچن کی طرف نہیں تھا۔ مگر بابو مادھو پرشاد صاحب نے ہم سے فرمایا کہ تم حضور کے بچن کو جو ست سنگ میں فرمائے جاتے ہیں لکھنا شروع کرو اور کاغذ اور پنسل فراہم کر دیا۔ ہم نے صبح کے ست سنگ میں لکھنے کی کوشش کی بعد ازاں اُس کی ترتیب دی۔ ایک ہی بچن پچیس صفحوں کا ہو گیا اور جس وقت ہم نے نظرِ ثانی کی گئی حیرت انگیز مضامین اُس تحریر میں موجود تھے۔ بابو صاحب ممدوح سے دریافت کیا کہ کیا حضور نے یہ بچن فرمائے تھے؟ اُنہیں خود تعجب ہُوا۔ کون جانے خود بابو مادھو پرشاد سنگھ جی کو یہ واقعات یاد ہیں یا نہیں مگر اُس دن کے تجربے سے ہم کو پھر بچن کے قلمبند کرنے کی جُرأت نہیں ہوئی کیونکہ ہم ست سنگ کا فیض اُٹھانے گئے تھے نہ کہ لکھنے پڑھنے کے لئے۔ دوسرے وقت کے ست سنگ کے بچن لکھنے سے انکار کر دیا۔ ست سنگ کا لطف کھونا یا اُس سے محروم رہنا منظور نہیں تھا۔ ہمارے چلے آنے پر پریم پتر جاری ہُوا۔ حضور کے بچن کی دھار کو کاغذ پر اُتارنا آسان کام نہیں تھا۔ اس وجہ سے حضور خود ہی لکھوا دیا کرتے تھے۔ وہ بولتے جاتے تھے اور لوگ لکھ لیا کرتے تھے۔

اس پریم پتر کی چھ سات جلدیں ہیں جو غالباً تین سال میں مکمل ہوئی تھیں۔

اسی نظر سے ہم نے بھی اس سلسلہ کو صرف تین جلدوں میں مکمل کرنے کا ارادہ کیا ہے اس میں یہ کوشش مدِ نظر رہے گی کہ رُوحانی خیالات کے تمام پہلو خواہ وہ ویدانت، سانکھیہ، یوگ سے متعلق ہیں یا پنتھ اور سمپرداییوں کی نسبت ہوں زیرِ بحث آ جائیں گے اور اگر حضور مصلّٰی کی مہربانی شاملِ حال رہی جس کا پُورا پُورا یقین ہے تو ہم سب لوگوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ ان تین جلدوں کے بغور پڑھنے والوں کو پھر کسی اور کتاب کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

حضور آشیرباد دیں کہ یہ سلسلہ مفید اور ہر دلعزیز ثابت ہو اور ست سنگیوں کو گھر بیٹھے ہوئے ست سنگ کا فیض بخشے!

رادھا سوامی دیال کی دیا رادھا سوامی سہائے

کبیر بیجک (شرح باتصویر ہندی) ۱ؔ	کبیر بھجناولی مجلد اُردو ۸ؔ
کبیر ساکھی ہندی ۸ر	کبیر پرچے ہندی ۸ر
کبیر شبداولی ہندی عہ	کبیر جوگ اردو (زیرِ طبع)
کبیر اور کبیر پنتھ (اُردو) ۲ؔ	پہلا دوسرا پانچواں بھاگ ہندی ہے ۲ؔ

پرم سنت پورن دھنی حضور مصلّٰی و مقدس مہرشی شیوبرت لال صاحب وَرمن کی نایاب ولاجواب تصانیف جواب تقریباً اوٹ آف اسٹاک ہی نہیں بلکہ اوٹ آف پرنٹ بھی ہو چکی ہیں جن میں آدسنت کبیر صاحب کے گوڑھ شبدوں کی دیا کھیا مہرشی جی مہاراج نے کبیر پنتھ کے نام لیواؤں اور سنت مت کے عام و خاص پریمیوں کے ہت ارتھ کی ہے اور جن کی دیا کھیا سوا مہرشی جی مہاراج کے تمام ہندوستان میں آج تک کسی نے نہیں کی اگر پریمیوں کو مطالعہ کی ضرورت ہو تو وہ مینیجر پُستک بھنڈار رادھا سوامی دھام ضلع مرزاپور (یو۔ پی) سے بار سال قیمت بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ یاد رکھئے ان کتابوں کا مطالعہ ہر سنت مت کے پریمی کے لئے حد ضروری ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر آپ عمل و شغل اور ابھیاس ست سنگ کی تعمیر کو آسانی سے کھڑا کر سکتے ہیں۔

دیباچہ کا ضمیمہ نمبر ۱

ذیل میں دو چار ضروری باتیں درج کی جاتی ہیں جن کو اس دیباچہ کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے۔

کبیر صاحب نے جس پیرایہ میں ہندو اور مسلمان دونوں کو بے تعصبی سے چتایا ہے وہ ڈھنگ دُنیا میں ایک نیا معجزہ ہے۔

یوں تو کبیر صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تھی مگر ان میں تیرہ مخصوص ہیں جو یہاں بیان کرنے کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور جنہوں نے کبیر صاحب کے پیغام کو جا بجا دورہ کرکے سب کو سنایا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) دھرم داس جی (خاص گورومکھ)
(۲) سنت گوپال جی
(۳) بھگونداس جی
(۴) نرائن داس جی
(۵) چورامن داس جی
(۶) جگو داس جی
(۷) جیون داس جی
(۸) کمال جی
(۹) ٹاکسالی جی
(۱۰) گیانی جی
(۱۱) صاحب داس جی
(۱۲) نتیانند جی
(۱۳) کمال ناد

اِن میں سے ممکن ہے کہ کمال اور کمال ناد دونوں ایک ہی شخص کے نام ہوں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو پھر کبیر صاحب کے صرف بارہ خاص شاگرد تھے۔

کبیر صاحب نے اُن کو بُدھ بھگوان کی طرح جا بجا وعظ کرنے کے لئے بھیجا اور اُن کی زندگی ہی میں اُن کی تعلیم ہندوستان کے قریب قریب تمام حصوں میں پھیل گئی اور ہزاروں کو رُوحانی تشفی پانے کا موقع ہاتھ آیا۔ ان سے پہلے سوامی شنکراچاریہ نے بھی اسی طرح اپنے دس نامی شاگردوں کے ذریعہ ویدانت کا وعظ دُنیا کو سُنایا تھا اور جا بجا اپنے مٹھ قایم کرکے اُن کو خیالات کے پرچار کے مضبوط مرکز بنا دئے تھے۔

قرینہ کہتا ہے کہ کبیر صاحب بنارس چھوڑ کر اور جگہ کم پھرے تھے۔ مانکپور، جھونسی، جونپور، برندابن اور باندھوگڈھ، گجرات کے سوا پتہ نہیں لگتا کہ وہ اور بھی کہیں گئے ہوں گے اور اگر اس بات کو صحیح تسلیم بھی کیا جائے تو بذاتِ خاص اُن کا دَورہ بہت کم ہُوا ہے۔ کوئی کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ وہ بلخ میں بھی گئے تھے مگر زیادہ تر انہوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے خیالات کی اشاعت دینے کا اوزار بنایا۔ آپ زیادہ تر کاشی ہی میں رہے اور وہاں ہی جیووں کو چتایا کئے۔ روایات اور نوشتہ جات سے ٹھیک پتہ نہیں لگتا کہ کہاں کہاں اُن کے شاگرد مقیم رہ کر ست سنگ کراتے تھے۔ تاہم جو کچھ پتہ لگ سکتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

دھرم داس ساری عمر کبیر صاحب کی خدمت میں رہے اور تن من دھن سے اُن کی سیوا کیا کئے۔ ان کے دو لڑکے نرائن داس اور چورامن باندھوگڈھ کے مہنت ہوئے جو علاقہ ریواں میں ہے اور یہ بنس گورو کہلاتے ہیں اور ان کی اولاد اپنے سلسلہ میں برابر کبیر صاحب کے خیالات کا پرچار کرتی ہے۔

سُرت گوپال جنہوں نے سُکھ ندھان نامی گرنتھ کی ترتیب دی ہے کبیر چورا بنارس کے مہنت ہوئے۔ ان کی سمادھی مگھر میں ہے اور ان کے نام سے پوری اور دوارکا میں دو مٹھ اس وقت تک موجود ہیں۔

بھگونداس جی جن کو کبیر صاحب کے حیات میں بیجک نامی گرنتھ کے ترتیب کا کام سپرد ہُوا تھا دھنوتی کی سنگت کے مہنت تھے اور اُن کی اولاد بھی وہاں ہے۔

جگو داس کی گدی کٹک (اُڑیسہ) میں قایم ہوئی اور اُنھوں نے اُتکل دیس میں اُس

مت کو پھیلایا۔

جیون داس خواہ جگ جیون صاحب اودھ میں ست نامی پنتھ کے بانی ہوئے اُدُ جو قوم کے کھتری تھے اور کٹوا نامی استھان میں جو لکھنؤ اور اجودھیا کے درمیان واقع ہے ان کی سمادھی ہے۔ اُن کے خیالات اور عام کبیر پنتھیوں کے اصول میں کچھ جزوی اختلافات ہیں

ٹکسالی جی کا مٹھ بردوان میں ہے اور وہاں کے لوگ کثرت سے اُن کی شاگردی میں آئے۔

صاحب کمال اعلیٰ درجے کے ابھیاسی تھے ان کو کبیر صاحب نے بمبئی کے آس پاس رہ کر پرچار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اُن کے حالات کچھ اتنے کم ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں ملتا کہ انھوں نے کیا کام کیا اور آیا ان کے بھجن وغیرہ بھی ہیں یا نہیں۔ میں نے بڑی تلاش سے کچھ دوہے فراہم کئے تھے جو اُن کی مختصر سوانح عمری کے ساتھ میری مصنفہ کتاب زیر ترتیب میں موجود ہیں اور جن کے آخر میں شاہ کمال آتا ہے۔ اُن کا نام بھی مسلمانی ہے اور شاہ کا خطاب بھی ہندوانہ نہیں ہے۔

گیانی جی سہسرام میں رہے اور وہاں ہی ساری عمر کبیر صاحب کے خیالات کی اشاعت کرتے رہے۔ سہسرام بہار میں ہے۔

صاحب داس جی کٹک میں مقیم ہوئے اور کچھ مسائل میں رد و بدل کر کے مول پنتھ کی بنیاد ڈالی۔

نتیانند جی اور صاحب کمال دکن میں گئے اور مدت العمر وہاں ہی مقیم رہے۔

ضمیمہ دیباچہ نمبر ۲

ستیہ کبیر صاحب کا مکھیہ پنتھ تو وہی ہے جو دھنی دھرم داس جی نے چلایا تھا۔ باقی اور تمام شاخوں کو جو کبیر صاحب کے سیوکوں نے جا بجا مصلحتِ وقت کے موافق اپنے اپنے نام خواہ خاص خاص ناموں سے جاری کئے ہیں اُسی کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ دھنی دھرم داس جی کا سلسلہ تو اب تک باقاعدہ چلا آتا ہے۔ دوسروں کے حالات سے عوام کو واقفیت نہیں ہے

حالانکہ ممالک متحدہ ممالک متوسط، بہار کاٹھیاوار اور دوسرے مقامات میں ایسے پنتھ بہت ہیں اور یہ خوشی کی بات ہے کہ ان کی تمام تعداد اگر دھنی دھرم داس جی کی اولاد کے براہِ راست یا تحت نہیں ہے تو اُس کے ساتھ اپنے تعلقات کے مضبوط رکھنے یا اُس کی اہمیت کے تسلیم کرنے سے عار نہیں رکھتے۔

دھنی دھرم داس جی کے بنس کے آج تک چودہ پشت ہو چکے ہیں۔ اُن کے سجادہ نشینوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) دھنی دھرم داس جی
(۲) مُکتامنی نام
(۳) چوڑامنی نام
(۴) سُودرشن نام
(۵) کُل پتی نام
(۶) پربودھ گورو بالاپیر کنول نام
(۷) امول نام
(۸) سُرت سنیہی نام
(۹) حق نام
(۱۰) پاک نام
(۱۱) پرگٹ نام
(۱۲) دھیرج نام
(۱۳) پیگ شری نام صاحب
(۱۴) پیگ شری دیا نام صاحب

پنتھ کے سلسلہ کے حالات اس گدی سے معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ گدی مکھیہ ہونے کی وجہ سے اب تک کبیر پنتھ کی روایتوں کو نسلاً بعد نسلاً محفوظ کرتی آ رہی ہے۔

بہار میں بھی ایسے مٹھ کہیں کہیں موجود ہیں جن میں قلمی کتابیں مل سکتی ہیں۔ ایک مشہور گرچھوٹا مٹھ بڑیا ضلع جونپور میں موجود ہے جس کے آچاریہ اچھے قابل اور واقف کار ہیں اور اگر اُن سے دریافت کیا جائے تو وہ کبیر پنتھ کی تواریخ پر بہت کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ کبیر جوگ کے لکھتے وقت مجھے براہِ راست ان سے خط و کتابت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ مٹھ نسبتاً سب سے زیادہ حق پسند اور انصاف پسند معلوم ہوتا ہے۔ دوسروں میں حد درجہ کی رجعت نظر آتی ہے۔ میں نے جن کو لکھا کسی نے جواب تک نہیں دیا۔ ریاست بڑودہ کے شری منی لال تلسی داس جی جو نائب سپرنٹنڈنٹ راج پرنس نے بے شک رام نام کی عظمت پر ہندی میں ایک مطول تحریر بھیجی تھی جو میرے دفتر میں موجود ہے اور کسی وقت وہ شائع

کر دی جائے گی۔ میں اِن کی مہربانی کا دِل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کبیر صاحب نے رام نام کی عظمت پر بہت زور دیا ہے اور وہ سوچنے سمجھنے کا مضمون ہے۔ اکثر پنتھائی غلطی میں پڑ کر کہتے ہیں کہ کبیر صاحب یا تو وشنوؤں کے زیرِ اثر اِس نام کے جاپ کی ضرورت محسوس کراتے رہے ہیں یا مصلحتاً اُسے اپنے یہاں محفوظ رکھا ہے۔ یہ خیال غلطی پر مبنی ہے۔ رام نام اصل میں ست نام سے اُن کے یہاں جُدا نہیں ہے اور وہ بھی ذاتی اور دُھن آتمک نام ہے۔ بیجک کی ٹیکا لکھتے وقت مجھ سے کہا گیا تھا کہ کبیر صاحب کا بخشا ہُوا نام تو ست نام ہی ہے۔ رام نام صرف وشنوؤں کی وجہ سے ہر دلعزیز سمجھ کر شبدوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اِس غلط خیال کو دِل سے دُور کر دیں اور رام نام اور ست نام کو ایک ہی سمجھیں۔ کبیر صاحب کا منتویہ یہی تھا۔

ضمیمہ دیباچہ نمبر ۳

بعض بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کبیر صاحب کے شبدوں کی دُھنی اب تک اپنی اصلی زوردار لہجہ میں گُونج رہی ہے۔ ہریانہ کے تمام اضلاع، رُہتک، حصار، گوڑگانواں، کرنال وغیرہ کے دیہات میں گو کبیر صاحب کے مٹھ نہیں نظر آتے مگر اِن علاقوں کے جاٹ اور دوسری قوموں کو جس قدر کبیر صاحب کی بانی یاد ہے مشکل سے اور جگہ کسی کو معلوم ہوگی۔ اتفاق کی بات چودھری کدار سنگھ ذیلدار کٹواڑہ ضلع رہتک کے سبب سے مجھے وہاں قیام کرنے کا موقع مِلا۔ مرد اور عورت دونوں ہی وہاں کبیر صاحب کے شبد گاتے ہوئے ملے اور وہ انہیں سمجھتے بھی خوب تھے۔ یہ شبد جو انہیں زبانی طور پر یاد ہیں نہایت موثر اور زوردار ہیں اور کبیر صاحب کی برکت سے یہ لوگ اُنہیں سمجھتے بھی خوب ہیں۔ جاٹ قوم کی بعض بعض عورتیں جو مجھے دیکھنے آئیں ایسی اعلیٰ درجہ کی سمجھ رکھتی ہیں جو اور جگہ کے پڑھے لکھے مردوں میں بھی نظر نہیں آتی اور حیرانی تو اس بات کی ہے کہ وہ نہ صرف کبیر صاحب کی تعلیم کے مغز کو جانتی ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ویدانت اور یوگ وغیرہ کے مسائل پر بھی گفتگو کرنے کا ملکہ رکھتی ہیں۔ یہاں کے باشندے بالکل سیدھے سادے اور نِش کپٹ لوگ ہیں اور

کبیر صاحب کی تعلیم اِن کے درمیان گھر کر گئی ہے۔ ہر موقعوں پر وہ کبیر صاحب ہی کے شبد زیادہ تر گاتے بھی رہتے ہیں۔ ظاہرا یہ کبیر پنتھی نہیں ہیں۔ مگر اصلیت کی نظر سے کبیر صاحب کے سچے بھگت اور معتقد ہیں۔ ناتھ، جوگی، گھیسا پنتھی وغیرہ بھی جو یہاں کثرت سے ملتے ہیں کبیر صاحب کے نام کی بڑی عزت کرتے ہیں اور رات دِن اُن کی مہما گاتے رہتے ہیں۔ جو شبد اِن کی زبان پر رہتے ہیں وہ کبیر پنتھ کے گرنتھوں میں بالعموم نہیں ملتے۔ لیکن اُن کے سُننے سے یہ صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بانی کبیر صاحب کی ہی ہے۔ کبیر صاحب کا نام بھی ہر شبد کے آخر میں آتا ہے اور اعلیٰ خیالات کے صاف لفظوں میں حقیقت کے اظہار کا سامان اُن میں بھرا پڑا ہے۔ اگر کوئی شخص اِن کو فراہم کرا کے چھپا دے تو شبدوں کا نہایت معقول ذخیرہ فراہم ہو جائے گا جو اب تک کبیر صاحب کی شبداولیوں میں کہیں نہیں ہے اور وہ دوسرے مقامات کے رواج یافتہ اور مشہور کلام سے مختلف بھی ہیں۔ اگر مجھے کبھی کسی وقت خواہش ہوئی تو میں اِن کے شایع کرنے کا اہتمام کروں گا اور اگر کسی اور صاحب نے توجہ کی تو اُن کو پوچھنے پر ہر وقت اپنی صلاح اور مشورہ دینے کو تیار رہوں۔

معلوم ہوتا ہے کسی زمانہ میں یہاں کبیر صاحب کے خیالات کا بہت پرچار رہا ہوگا۔ دہلی کے قریب ایک گھیسا صاحب سنت گذرے ہیں۔ یہ کبیر صاحب ہی کے سلسلہ میں ہوئے ہیں۔ ذات کے ہندو جولاہے تھے۔ اِنھوں نے اپنا الگ پنتھ چلایا ہے۔ بانی بھی کہی ہے مگر اُنھوں نے بھی کبیر صاحب کے شبدوں کی میراث کو نہیں چھوڑا۔ ان کے ماننے والے بالعموم چھوٹی قوموں کے آدمی ہیں۔ مگر اِن کی کثیر تعداد بھگتی بھاؤ کے رنگ سے رنگی ہوئی ہے۔ کبیر صاحب کے شبد اِن کی زبان سے نکلے جانے پر خاص قسم کا لطف دیتے ہیں۔

ضمیمہ دیباچہ نمبر ۴

کبیر جوگ میں صرف تیرہ حصّے آئے ہیں اور اپنی حیثیت کی نظر سے وہ جامع اور مکمل ہیں۔ چونکہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی کو کبیر صاحب نے جتایا ہے۔ اس وجہ سے جس طرح ان کو راہ پر لگایا گیا ہے اُن کا نقشہ اس کتاب میں کھینچا گیا ہے ہندوؤں میں تو اجیوا

سرباجیت، دھنی دھرم داس جی، آمن دیوی، مُکتا منی، پدم نابھ، گورکھ ناتھ جی اور نتیانند جی ہیں۔ **مسلمانوں میں جہاں گشت بغدادی، میر تقی، شیخ عکردی سکردی، اور بجلی خاں** پٹھان ہیں۔

اِن بیانات سے اُن کی تعلیم اور طرزِ تلقین کی نوعیت کا پتہ چلے گا۔

اِن میں سے کوئی کوئی بیان مشکل ہیں اور بعض بعض سہل ہیں۔ چونکہ یہ کتاب کبیر جوگ ہندو اور مسلمان دونوں کی نظروں سے گذرے گی اور دونوں ہی قوموں کی دلچسپی اور مفاد کی نیت سے قلمبند ہوئی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اسے بے تعصب ہو کر مطالعہ کریں۔ مسلمان اگر چاہیں تو یہ مسلمانی تعلیم کے بیانات پہلے پڑھیں اور پھر ہندو تعلیم کو ملاحظہ کریں اور ہندو اگر چاہیں تو پہلے ہندو بیانات کو دیکھیں اور پھر مسلمانی ابواب پر نظر ڈالیں۔ ادھوری کتاب کوئی کبھی نہ پڑھے۔ ورنہ کبیر صاحب کے متعلق صحیح رائے قایم کرنے کا موقع نہ ہاتھ آئے گا۔

اِس کتاب میں کسی جگہ تنگدلی سے کام نہیں لیا گیا اور نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے۔ کبیر صاحب کی نیت تھی کہ وہ ہندو و مسلمان دونوں کو یکجہتی کے شیرازہ میں جکڑ دیں اور ایسا ہمدرد معلم کبھی تنگدل نہیں ہو سکتا ہے۔ تردیدی مسائل تو ضرور آتے ہیں اور ان کا آنا بھی لازمی ہے مگر پڑھنے والے کو صرف مقصد کی جانب نگاہ رکھنی چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندو یا مسلمان دونوں کبیر پنتھی ہو جائیں۔ میں خود کبیر پنتھی نہیں ہوں لیکن یہ تو ضروری ہے کہ یہ مذہبی تفرقات کے زیر اثر آکر باہمی جنگ و جدل کو موقوف کریں۔ ہندوؤں میں پہلے یہ دستور تھا کہ مختلف مذہبی عقائد کے آدمی ایک ہی مشترکہ خاندان میں محبت کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر کوئی سبب نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمان مل کر کیوں باہم شیر و شکر ہو کر نہ رہیں۔ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ یہ پڑھے لکھے ہندو و مسلمان جاہلوں سے بدترین ہو کر کتوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹتے رہتے ہیں اور دُنیا انہیں ذلیل اور بے آبرو سمجھ کر حیوانوں سے بھی بدتر جانتی ہے۔ غیر ملکوں میں جا کر اوروں کے سامنے ہر ہندو سیاح کو شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے اور کیا مسلمان سچ مچ ایسے بدتمیز اور جاہل ہو گئے ہیں کہ

گاؤ کے معاملہ میں خواہ مخواہ زراعتی ملک کے ویران اور برباد کرنے پر تُل بیٹھے ہیں اور پڑھے لکھے نادان ہندو ایسے اپنے آپے سے گذر گئے ہیں کہ بغیر سمجھے بُوجھے اپنے مسلمان بھائیوں کے محض اَن سمجھی سے درپئے کشت و خون ہوتے رہتے ہیں۔ اِن نادانوں کو کوئی کیسے سمجھائے۔ سر پر ہر وقت بے بھاد کی پڑتی رہتی ہیں اور پھر بھی یہ جاہل انسانوں کی صحبت سے انسانیت کا سبق نہیں سیکھتے۔ قومیت کا جذبہ ہم کو بد تہذیبی کے سخت سُست الفاظ زبان سے نکالنے کے لئے مجبور کر رہا ہے! ہم کیا کریں! اِن کے روز روز کے نت لڑائی جھگڑوں کو دیکھ کر تنگ آ گئے ہیں! کیا ایسے لڑاکوں کو دُنیا میں زندگی کا حق حاصل ہو سکتا ہے! ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم کے آدمیوں کا اس طرح لڑتے رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ مذہب تفرقہ کا باعث کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سخت نادانی ہے! یہ کیوں سمجھ بُوجھ کر نہیں رہتے۔ کب تک ذلیل بنے رہیں گے! کیا صدیوں کے تجربوں سے بھی اب تک اُن کو عقل نہیں آئی! کبیر صاحب پہلے معلم ہیں جنھوں نے اس قومی غلطی اور قومی کمزوری کے پہلو کو دیکھا اور ان کے چھٹکنے کا اہتمام کیا۔ ادھر دھنی دھرم داس جی کو ہندوؤں کے چتانے کی ہدایت کی۔ اُدھر بجلی خاں پٹھان کو مسلمانوں کے راہ پر لگانے کی سُوجھ سمجھائی مگر ہندو اور مسلمان دونوں ہی نے چیت کر پھر اُسی حیوانیت کی راہ اختیار کر لی۔

کبیر صاحب کی وہ ہمدردانہ صدا اب تک برابر گونج رہی ہے۔ ہم اُسی کے زیر اثر آکر سچے تصوف کے پیرایہ میں اس کبیر جوگ کی شکل میں اُن کے خیالات کو دوبارہ سُناتے ہیں۔ جو صاحب اس کو پڑھیں مغز حقیقت کو سمجھ کر تفرقات کے مٹانے کا اہتمام کریں اور ساتھ ہی ساتھ رُوحانیت کا لطف اُٹھا کر اپنی انسانی زندگی کو سپھل کریں۔ یہ اس کے لکھنے کی غرض ہے۔ بانی ہے:-

ہل مل کھیلوں شبد میں انتر رہی نہ ریکھ
سمجھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

حضور آشیرباد دیں کہ ہمارے پاک بھارت ورش کے رہنے والے برادرانہ تعلقات کے اصول کو ذہن نشین کر کے اب از سرِ نو ملکی اور قومی یگانگت کی بنیاد کے قایم کرنے میں کامیاب ہوں۔

رادھا سوامی دیال کی دیا رادھا سوامی سہائے

مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن کی

(موتیوں میں تلنے والی تصانیف)

آتمک آدرش ہندی ۸/
آتمک اُتکرش ” ۸/
آتم وچار کلپدرم اردو ۶/
آنند یوگ ” عاں
آفتاب اودھ ” ۱۵/
آبدار موتی ہندی و اُردو عہ/
آرین میڈیکل سائنس اُردو عاں
آشچریہ وچار ” ۱۰/
آئینہ کشمیر ” ۱۲/
اگم سندیش ” ۸/
عجیب غریب قصے ” ۸/
ادبھت اُپاسنا یوگ ” للعہ
ادبھت سندیش ” ۸/
انمول بچن ” ۱۲/
انوبھو سندیش ” ۸/
امن کامیابی ” ۶/
الٰہیات احد الممات ” ۱۲/
اودھوت گیتا ” عہ/
اشوک کے فرامین ” ۸/
امکان کامیابی ” ۴/
اسرار معرفت ” ۱۲/
اصلاح زندگی اُردو ۱۲/
ایش اُپنشد ” ۸/ عہ
ایشور کیا ہے ” ۶/
اُپاسنا سندیش اردو ہندی ۸/
اُپکار سدھار اُردو ۸/
اُپدیشا نجلی اُردو ہندی ۸/
اُپنشد بھاشیہ بھومکا اُردو ۲/ للعہ
عروج کامیابی ” ۴/
ایترے اُپنشد اُردو ہندی ۱۲/
اوم ناول ” ۸/
کٹھ اُپنشد اُردو ۸/ عہ
کتھا کلپدرم ہندی ۸/
کتھا نجلی بھاگ پہلا ” ۸/
کتھا نجلی ” دوسرا ” ۸/
کتھا نجلی ” ۸/
کبیر اور کبیر پنتھ اُردو ۲/ عہ
کبیر پریچے ہندی ۸/ عہ
کبیر بیجک شرح با تصویر ” ۸/ عہ
کبیر یوگ پہلا بھاگ ” ۸/ عہ
کبیر یوگ دوسرا ” عہ
کبیر یوگ پانچواں ” ۱۰/
کبیر شبداولی ہندی عہ/
کبیر ساکھی ” ۸/ عہ
کیا ہندو قوم زندہ رہیگی اُردو ۸/
کرما نجلی ہندی ۸/
کرم سندیش اُردو ۸/
کلکی پوران ” ۸/
کلید کامیابی ” ۴/
کین اُپنشد ” ۸/ عہ
کوشتکی براہمن اُپنشد ” ۱۲/ عہ
خمکدۂ تخیلات ” ۱۰/
خمکدۂ سرشار ” ۱۰/
خمخانۂ عرفان ” ۱۰/
خمخانۂ خیالات ” ۱۰/
گایتری رہسیہ ” ۸/ عہ
” ہندی ۱۲/
گرہ دار موتی ” ۸/
گلدستۂ تخیلات اُردو عہ/
گیتا نجلی ہندی ۸/
گیان کی لہر ” ۱۲/
چمکدار موتی ” عہ/
چرتر کلپدرم ” ۸/

چلتی چکی ہندی ۸/
چھانوگی (پنڈنامہ اودھا سومی) اُردو عہ/
چتوڑ کی چڑھائیاں ” ۸/
” ہندی ۱۲/
چونتسہ درخت دور چترپٹی اُردو عہ/
چوتھا پد ” عہ/
چھاندوگیہ اُپنشد ” ۸/ عہ
جیون ویاکھیا ” ۱۰/
” ہندی ۱۲/
جیون سدھار اُردو ۱۲/
زندگی کا مقصد اور اسکی اصلاح ” عہ/
جیون گاتھا نجلی ہندی ۸/
جھلکدار موتی ” عہ/
ٹھگنے والی مایا ” ۸/
تابدار موتی ” عہ/
” اُردو ۸/ عہ
تڑپ دار موتی ہندی عہ/
طرحدار موتی ” عہ/
تحفۂ کشمیر حصّہ اول اُردو عہ/
تحفۂ درویش ” ۱۲/
تیتریہ اُپنشد ” ۸/ عہ
دلدار موتی ہندی ۸/ عہ
دمکدار موتی ” عہ/
دمدار موتی ” ۴/ عہ
درس کامیابی حاِ اُردو ۴/
دس اوتار چرتر ” ۸/ عہ
” ” - ہندی عہ/
دُنیا کی بہتری اُردو عہ/
درشٹا نجلی ہندی ۸/
درشٹانت ترنگنی ” ۸/
درشٹانت سندیش اُردو ۸/
دیہاتیوں کے قصے ” ۴/
نانک جوگ ” ۱۰/ عہ
نظائر قانون روحانی ” عہ/
نیا بھگت مال ” ۸/ ہے
نوجیون سدھار ” ۱۰/
” ہندی ۱۰/
نج اُپکار سدھار اُردو ۱۲/
نور یزدانی مکمل ” ہے
نندو بھائی کی ساکھی ” ۱۲/
پرمارتھ سدھار ” ۸/
” ہندی ۸/
پرلوک سدھار ” ۸/
پنچدشی اُردو عاں
پنچ پتر ” ۱۲/
پنتھ سندیش ” ۸/ عہ
پشپانجلی ہندی ۸/
پھٹکل وچار اُردو ۱۰/
پریم سندیش ” ۸/
پرشنوترانجلی ہندی ۸/
بچن سار حصّہ اوّل اُردو ۱۰/
” ” دوم ” ۸/ عہ
” ” سوم ” ۱۰/
” ” چہارم ” ۱۲/
بوپکا نجلی ہندی ۸/
بویک کلپدرم اُردو ۲/ عہ
بوذھ گاتھا نجلی ہندی ۸/
بڑھتی سدھار اُردو ۱۰/
برہم وچار کلپدرم ” ۱۲/
بھگت بال مکمل ہندی للعہ
بھگتی گیان وچار اُردو ۸/
بھگوت گیتا ” ہے
بھجن وِلاس ہندی ۴/ عہ
بھڑک دار موتی ” عہ/
مانڈوکیہ اُپنشد اُردو عہ/
مذہب کیا ہے دو جلدوں میں ” ۱۲/
مت پرکاش ” عہ/
مت بھید ” ۱۲/
منو بتم ہندی ۱۲/
مرما نجلی ” ۸/
مرم سندیش ” ۸/
مستی کا جام ” ۱۰/
مہارامائن مجلد اُردو لے
مہلا چترانجلی ہندی ۸/
میرا ” ۱۲/
مکھ وچار اُردو ۱۰/
مفید وچار ” ۱۰/
منڈک اُپنشد ” ۸/ عہ
مینتری اُپنشد و کوشتکی اُپنشد ” ۱/ عہ
یاترا سندیش ” ۸/
یوگ سدھار ” ۸/ عہ

راز کامیابی اُردو ۴ر
راج بھگت 〃 ۶ر
راج بھگتی 〃 ۴ر
رادھا سوامی نام 〃 عہ
رادھا سوامی مت کی تعلیمات 〃 ۱۲ر
رادھا سوامی مت میں مسئلہ توحید 〃 ۱۲ر
رِشی دتا 〃 ۱۲ر
رُوحانی قصہ سُرت شبد 〃 ۱۲ر
روحانیت حاصل کرنیکا راز 〃 عہ
للیت اُپدیشا نجلی ہندی ۸ر
للیت سارانجلی 〃 ۸ر
واچ سنیپی سنہتا اپنشد اُردو ۸عہ
وچنا نجلی ہندی ۸ر
وثوق کامیابی اُردو ۶ر
وگیان انجلی ہندی ۸ر
وچار انجلی 〃 ۸ر
وچار شبد ہار اُردو ۱۰ر
وچار کلپدرم 〃 ۲عہ
〃 ہندی ۱۰ر
وچتر کتھا حصہ اول اُردو عہ
〃 〃 دوم 〃 ۱۲ر
وویک کلپدرم اُردو ۱۰ر
〃 ہندی عہ
وویک سندیش 〃 ۸ر
وشنو پُران جلد اول 〃 ۱۰ر
دیر پورش 〃 ۱۲ر
ویدانت کی پہلی کتاب 〃 عہ
شاندار موتی 〃 ۲عہ

شاہوار موتی ہندی ۲عہ
شغل آواز اُردو عہ
شبد گنجار جاگ پہلا ہندی ۸عہ
〃 〃 دوسرا 〃 عہ
شبد پرسنگ حصہ اول اُردو ۸عہ
〃 〃 دوم 〃 ۱۲ر
شبد یوگ کا شغل 〃 ۸عہ
شبد سار جاگ پہلا ہندی ۸عہ
〃 〃 دوسرا 〃 ۱۲عہ
شبد سار گٹکا 〃 ۵ر
شیو درپن اُردو ۱۲ر
شیو سنہتا ہندی ۱۰ر
سارانجلی 〃 ۸ر
سار سندیش اُردو ۸ر
سنت سندیش 〃 ۸ر
سنت سنجوگ حصہ دوم 〃 ۱۲عہ
〃 〃 سوم 〃 ۱۰عاں
سپتاہ وچار ہندی ۱۰ر
〃 〃 اُردو ۱۰ر
سیت رشی درشن 〃 ۸ر
سوامی وویکانند کی تقریریں 〃 ۸عہ
سوال اور اُن کے جواب 〃 ۸ر
سوال و جواب 〃 عہ
سائیں کے سوخیال 〃 عہ

سورج بھیدی گیان اُردو ۸ر
سہج بھگتی 〃 عہ
سہج یوگ یا رادھا سوامی یوگ 〃 ۸عاں
سہج سندیش 〃 ۸ر
سراج کامیابی 〃 ۱۰ر
سکھ شبد ہار 〃 ۸عہ
صوفی اِزم 〃 ۸عاں
سنت امرت بانی ہندی ۱۲ر
سنت مال اُردو ۸عہ
ہندو کی کہانیاں 〃 ۱۰ر
〃 〃 ہندی ۱۲ر
سوتیا سوترا اپنشد اُردو ۱۲ر
ہفت شاہ راہ کامیابی 〃 ۴ر
ہمبر ہٹ 〃 ۶ر
ہت اُپدیش 〃 ۴ر
ہدایت نامہ مشرح 〃 ۸عہ
ہندو آدرش 〃 عاں
ہندو قوم کی حقیقت 〃 ۸عہ
〃 〃 خصوصیت 〃 ۸عہ
ہندو ماتائیں 〃 ۱۲ر
مسیج آف پیس انگریزی ۱۲ر
لائٹ آن آنند یوگ مجلد 〃 عاں
اینٹری انٹوڈی شنکرم تخویون 〃 عہ
آتم گیان گورو مکھی

منیجر دفتر دیال کیشوگری حیدرآباد دکن

(مطبوعہ اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن)

کبیر جوگ حصہ اول میں غلط طباعت کی صحت

صفحہ نمبر	سطر نمبر	صحیح لفظ	صفحہ نمبر	سطر نمبر	صحیح لفظ	صفحہ نمبر	سطر نمبر	صحیح لفظ
۸	۱۶	شفاف	۵۳	۷	اُدعار	۱۱۰	۲۰	پوتر
۸	۱۹	پڑے گی	۶۲	۵	گرد	۱۱۱	۷	دئے
۱۳	۲۰	یعنی	۶۶	۱۵	ذات	۱۱۷	۷	پل پڑتا تھا
۱۵	۲۰	پرمارتھ	۷۲	۱۵	سنسار	۱۲۶	۱۶	بیرسنگھ
۱۶	۱۸	تعصب	۷۵	۱۹	ہُوا	۱۲۷	۲۲	دبائے ہوئے
۱۷	۵	سانکھیہ	۷۶	۵	کی	۱۲۸	۲۲	مگر
۱۷	۷	اصل	۹۲	۲۰	کرنا چاہیے	۱۲۸	۲۲	دھاروں
۳۰	۴	آخری نقطہ کاٹ دیجیے	۹۹	۲۰	اصطباغ	۱۲۹	۲۰	اُس سے
۳۷	۱۰	بن	۱۰۰	۹	اپنے ہی	۱۳۷	۸	نابھاجی
۳۶	۱۷	بے گئی!	۱۰۴	۲۰	دھیان	۱۳۸	۲۴	سیریا بن گیا
۳۹	۲۰	پرمارتھ	۱۰۵	۱۴	ہوئے	۱۴۱	۱	مانڈی منی
۴۴	۲۱	اس وجہ	۱۰۷	۱	پوروش	۱۴۱	۲	مانڈی مانڈی منی منی
۴۶	۱۶	بل	۱۰۷	۶	ڈروں	۱۶۰	۸	اُپدیشا نجلی
۴۷	۱۱	بازپرس	۱۱۰	۱۷	جانتا	۱۶۱	۶	جگت مال

سیریز

دیال

کبیر دھارا اگم کی ستگورو دئی لکھائے
تا ہی الٹ سمرن کرو سوامی سنگ ملائے
کبیر یہ من آلسی کہوں تو مانے روس
جا مارگ سائیں ملیں چلے نہ ایکو کوس
من کے مارے بن گئے تن تج بستی ماہیں
کہیں کبیر کیا کیجئے یہ من بوجھے ناہیں
سکھ سا کھا بہتے گئے [illegible] ستگورو میت
چالے [illegible] ست لوگ کو انت ہی [illegible]

[illegible] ٹھاکر نند [illegible]

اشاعت کردہ:۔ رادھا سوامی ست سنگ
نظام آباد حیدرآباد دکن

(مطبوعہ نیشنل انڈین پریس افضل گنج حیدرآباد دکن)

کبیر جوگ حصہ اول میں غلط طباعت کی صحت

صحیح لفظ	سطر نمبر	صفحہ نمبر	صحیح لفظ	سطر نمبر	صفحہ نمبر	صحیح لفظ	سطر نمبر	صفحہ نمبر
پوتر	۲۰	۱۱۰	اُدتعار	۷	۵۳	شفاف	۱۶	۸
دئے	۷	۱۱۱	گرد	۵	۶۲	پڑے گی	۱۹	۸
چل پڑتا تھا	۷	۱۱۷	ذات	۱۵	۶۶	یعنی	۲۰	۱۳
بیر سنگ	۱۶	۱۲۶	سنسار	۱۵	۷۲	پرمارتھ	۲۰	۱۵
دبائے ہو	۲۲	۱۲۷	ہُوا	۱۹	۷۵	تعصب	۱۸	۱۶
مگر	۲۳	۱۲۸	کی	۵	۷۶	سانکھیہ	۵	۱۷
دھاروں	۲۲	۱۲۸	کرنا چاہیے	۲۰	۹۴	اصل	۷	۱۷
اُس سے	۲۰	۱۲۹	اصطباغ	۲۰	۹۹	آخری نقطہ کاٹ دیجئے	۴	۳۰
نابھاجی	۸	۱۳۷	اپنے ہی	۹	۱۰۰	بن	۱۰	۳۷
سیر یا بن گیا	۲۴	۱۳۸	دھیان	۲۰	۱۰۴	بے تکی!	۱۷	۳۶
مانڈی منی	۱	۱۴۱	ہوئے	۱۴	۱۰۵	پرمارتھ	۲۰	۳۹
مانڈی منی	۲	۱۴۱	پورش	۱	۱۰۷	اس وجہ	۲۱	۴۴
اپدیشا بجلی	۸	۱۶۰	ڈروں	۶	۱۰۷	بل	۱۶	۴۶
جگت مال	۶	۱۶۱	جانتا	۱۷	۱۱۰	بازپرس	۱۱	۴۷